جون
2021ء

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝٥ (القرآن:54)

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 15 | وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ (القران) | ذیقعدہ : 1442ھ
شمارہ : 06 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر) | جون : 2021ء

ISSN : 2305-6231

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت
- ڈاکٹر طالب حسین سیال
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- حاجی محمد منظور انور
- انجینئر عبداللہ اسماعیل

مدیر معاون و نگران طباعت	مفتی عطاء الرحمٰن
انتظامی امور	ملک نذر حسین
قانونی مشاورت	محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون بیس ہزار روپے یکمشت	سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 800روپے	معمول کا شمارہ 50روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر
پاکستان پوسٹ کوڈ 35200
047-7630861-0336-6778561

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی
طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		5
حرفِ آرزو	3	انجینئر مختار فاروقی	6
فتنۂ دجال۔ دجّال کے دور کی خصوصیات (8)	4	انجینئر مختار فاروقی	19
برطانوی حکومت کے آغاز میں دیسی تعلیم کی حالت (2)	5	پروفیسر سید محمد سلیم	39
ماڈرن ازم کی آڑ میں حقوقِ نسواں کا فریب	6	بشریٰ شیخ	52
کوہِ طور کا سفر	7	جمشید خان	55
مسلمانانِ پاکستان کے لیے لمحۂ فکریہ	8	محمد منظور انور	59
تبصرہ کتب	9		63

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

(02)	اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ	آیات
سورۃ البقرۃ	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	149-145

وَلَئِنۡ اَتَیۡتَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَۃٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَکَ

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ ان اہلِ کتاب کے پاس تمام نشانیاں (ثبوت)
بھی لے کر آوٴ تو بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں

وَمَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَھُمۡ

اور آپ بھی (محکم قرآنی دلائل کی بنیاد پر) ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہو

وَمَا بَعۡضُھُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَۃَ بَعۡضٍ

اور ان میں سے بھی بعض بعض کے قبلے کے پیرو نہیں ہیں

وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَھۡوَآءَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ

اور اگر آپ باوجود اس کے کہ آپ کے پاس دانش (یعنی اللہ کی وحی) آ چکی ہے
ان کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے (کہ اُن کو خوش رکھیں)

اِنَّکَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾

تو ظالموں میں (داخل) ہو جاوٴ گے

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخر الزماں ﷺ) کو

اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں

وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنۡهُمۡ لَیَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾

مگر ان میں سے ایک فریق (مقتدر ورہنما طبقہ) سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾

(اے پیغمبر! یہ تحویل قبلہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے

تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا

وَلِکُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّیۡهَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ

اور ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت)

منہ کیا کرتے ہیں۔ تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو (فوراً نیا قبلہ اختیار کرلو)

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ اللّٰهُ جَمِیۡعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۴۸﴾

تم جہاں ہوگے اللہ تم سب کو جمع کرے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

وَمِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

اور آپ (ﷺ) جہاں بھی (مدینہ سے باہر سفر پر) نکلو

(نماز میں) اپنا منہ مسجد محترم کی طرف کرلیا کرو

وَاِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ ط

بے شبہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾

اور تم لوگ جو (نیک نیتی سے قبلہ کے تعین میں کوئی خطا بھی) کروگے

اللہ اس سے بے خبر نہیں (وہ معاف فرمادے گا)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ
نبی اکرم ﷺ اکثر یہ دُعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ أَخْشَاكَ كَأَنِّیْ أَرَاكَ أَبَدًا حَتّٰی أَلْقَاكَ وَأَسْعِدْنِیْ بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِيَتِكَ،

اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میں تجھ سے اس طرح ڈروں گویا میں تجھ کو دیکھتا ہوں، یہ کیفیت ہمیشہ رہے یہاں تک کہ میں تیرے سامنے حاضر ہو جاؤں اور مجھے اپنے تقویٰ کے ساتھ خوش نصیب کر اور معصیت کے ساتھ بدنصیب نہ کر

وَخِرْلِیْ فِیْ قَضَائِكَ ، وَبَارِكْ لِیْ فِیْ قَدَرِكَ حَتّٰی لَا أُحِبَّ تَعْجِيلَ مَا أَخَّرْتَ وَلَا تَأْخِيرَ مَا عَجَّلْتَ،

اور میرے لیے اپنے فیصلے میں بھلائی کا انتخاب کر اور میرے لیے اپنی تقدیر میں برکت عطا کر، یہاں تک کہ میں اُس چیز میں جلدی نہ چاہوں جس کو تو نے مؤخر کیا ہے اور نہ اُس میں تاخیر چاہوں جس کو تو نے جلدی کیا ہے

وَاجْعَلْ غِنَایَ فِیْ نَفْسِیْ، اور میری مالداری میرے دل میں رکھ دے

وَأَمْتِعْنِیْ بِسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّیْ

اور مجھے میری سماعت و بصارت سے (تاحیات) فائدہ پہنچا اور ان دونوں کو میرا وارث دے

وَانْصُرْنِی عَلٰی مَنْ ظَلَمَنِی، وَأَرِنِی فِيهِ ثَأْرِیْ تُقِرَّ بِذَالِكَ عَيْنِیْ اور میری مدد کر اس کے خلاف جو مجھ پر ظلم کرے اور اس میں مجھے میرا بدلہ دکھا جس سے میری آنکھ ٹھنڈی ہو (طبرانی)

ے زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

تفریق بین الرُّسُل کا جرم اور بنی اسرائیل (یہود)
قرآن مجید کی روشنی میں

انجینئر مختار فاروقی

- عالمِ انسانیت بالعموم گزشتہ پانچ / چھ صدیوں سے انسانی کردار اور اوصاف کو بھلا کر ایک ترقی یافتہ حیوان کے مقام پر کھڑا ہے۔ یہ ماحول تاریخ انسانی میں ان ادوار سے مشابہ ہے جب قومیں، تہذیبیں اور بادشاہتیں خدا بیزار، دین دشمن اور وحی دشمن بن گئی تھیں اور بالآخر عذابِ الٰہی کا نوالہ بن گئی تھیں۔

- تاریخِ انسانی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کا زمانہ عصر حاضر کے مقابلے میں بہت سُست روی اور فراغت کا زمانہ تھا۔ خیر کے داعی اور شر کے داعی وقفے وقفے سے تاریخ میں نمایاں ہوئے اور کتنی ہی دفعہ داعیانِ خیر نے تاریخ کے بہاؤ کو روک کر اس کا رُخ خداشناسی، خودشناسی، انسان دوستی، علم دوستی اور اخلاق دوستی حتیٰ کہ حیوان دوستی اور ماحول دوستی کے ساتھ ساتھ فطرت سے ہم آہنگ کر دیا۔

- تاریخِ انبیاء سے دلچسپی رکھنے والے جانتے ہیں کہ تاریخ میں کم از کم پانچ تہذیبیں اُٹھیں، پھلی، پھیلی اور پھولیں حتیٰ کہ انسانیت کے دورِ طفولیت میں بھی عالمی شہرت کی حامل بنیں۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ تمام تہذیبیں بعض ٹھوس شواہد کی بنیاد پر خدا بیزار، وحی دشمن اور آسمانی بادشاہت کی دشمن قرار پائیں اور BIG BANG کی طرح کے کسی حادثہ کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئیں کہ آج صرف ان کے کھنڈرات، ویران محل، بے آباد بستیاں

(کھنڈرات) اور عیش وعشرت کے شیطانی و ابلیسی شواہد (بُت، مجسّمے، تعمیرات، غاریں، تباہ شدہ بستیاں (پومپائی، بحیرۂ مردار، رومی ویونانی بادشاہوں اور بابل کی تہذیب کے محلّات، عشرت کدے وغیرہ) زبانِ حال سے قرآن مجید کی اس آیت کا ورد کرتی نظر آرہی ہیں کہ ہم کیوں تباہ ہوئیں

قَالُوۡا بَلٰی قَدۡ جَآءَ نَا نَذِیۡرٌ فَکَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ O وَقَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ O (الملک:09-10)

’’اُنھوں نے بالآخر تسلیم کیا کہ ہاں ہمارے پاس (اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے) متنبّہ کرنے والے آئے تھے اور ہم نے (بدقسمتی سے) تکذیب کی اور کہا کہ اللہ نے (حیوانوں کے لیے کوئی آسمانی ہدایت بتانے والا نہیں بھیجا تو) انسانوں کے لیے (بھی) کوئی آسمانی ہدایت نہیں اُتاری۔ بلکہ آپ (پیغمبر) لوگ کھلی گمراہی کا شکار ہیں۔ کاش ہم (ہماری قوم کی طرف) آنے والے پیغمبروں کی باتیں (فرمودات اور کلامِ الٰہی) سن کر اس پر عقل سے غور کرتے (اور اس کے مطابق زندگی گزارتے تو ہم کبھی یہاں (دوزخ) والوں میں نہ............‘‘۔

- ان تباہ شدہ تہذیبوں اور قوموں کے کھنڈرات میں قومِ عاد، قومِ ثمود، بابل کی تہذیب، فراعنہ مصر اور قومِ لوط کے کھنڈرات شامل ہیں۔ ان تہذیبوں کو آج کی اصطلاح میں یمن کی قوم جو تعمیرات کے فن میں یکتا تھی (GOTHIC CIVILISATION)، قومِ ثمود یا PATRA کی تہذیب، عراق کے نمارده (نمرود بادشاہ)، مصر میں افریقی قوم کے فرعون کہلانے والے بادشاہوں کی تہذیب (EGYPTIAN PYRAMIDS CIVILISATION)، اور بحیرۂ مردار (DEAD SEA) کے کنارے آباد قومِ لوط جو صرف GAY CULTURE کی نمائندہ ہی نہیں، اس کے سرخیل (GAY LORD) تھی۔ آج کی جدید تہذیب کے اہم مراکز ٹوکیو، بیجنگ، ہانگ کانگ سے لے کر پیرس، لندن، نیویارک اور کیلیفورنیا تک (جہاں پارکوں، مجلسوں، محفلوں میں یہ گھناؤنا بے حیائی کا جرم سرِعام اور سرِراہے ہوتا ہے) اسی بات کا نقشہ پیش کر رہے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں بلکہ UNO کے ذریعے یہ وباء دوسری قوموں میں بھی پھیلانے کے مبلّغ ہیں۔

[نوٹ: نیویارک امریکہ میں اعلیٰ ترین عدالت کے ایک امریکی جج (رابرٹ ایچ-بارک) نے ریٹائرمنٹ کے بعد 1998ء میں کتاب لکھی جو BESTSELLER قرار پائی۔اس کا عنوان تھا: SLOUCHING TOWARDS GOMMORA یعنی امریکہ میں گزشتہ صدی کی 90 کی دہائی سے یہ SAME SEX برائی اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ ہماری قوم ___ (قومِ لوط کی بستی سدوم اور) عامورہ کے انجام کی طرف تیزی سے لڑھک رہی ہے۔ 1998ء کے بعد رُبع صدی گزرنے والی ہے اب وہاں کیا حال ہوگا، وہ زبان پر نہیں لایا جاسکتا۔] (1998ء میں امریکہ کے ایک کھلنڈرے صدر کلنٹن نے یہ بھی کہا تھا کہ امریکی قوم کے 50% جوان اپنے باپ کا نام نہیں جانتے، یعنی ILLEGAL CHILDE ہیں، جسے انگریزی BASTARD اور اردو میں حرام زادہ کہتے ہیں اور یہ امریکہ میں اب بھی ایک گالی ہے۔اسی مشکل سے نکلنے کے لیے امریکی قوم نے تمام سرکاری کاغذات میں سے باپ کے نام کا کالم (خانہ) نکال دیا ہے، ڈومیسائل، شناختی کارڈ، درخواست ملازمت وغیرہ میں صرف ماں کا نام پوچھا جاتا ہے۔تاکہ نوجوان فارم پُر کرنے لیے ماں سے پوچھے گا جو وہ بتا نہیں سکے گی۔اس لیے اس زحمت سے بچنے کے لیے'باپ کا نام' والا 'خانہ' ہی ختم کر دیا گیا۔اب رُبع صدی بعد امریکی قوم اس سمت مزید کتنی ترقی کر چکی ہے وہ بڑی عام فہم سی بات ہے۔)

◯ ان تباہ شدہ تہذیبوں کی شان وشوکت اپنے زمانے میں بالکل اُسی طرح تھی جیسے اقوامِ عالم میں آج امریکہ (USA) کی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید برملا کہتا ہے قوم عاد کے بارے میں ارشاد ہے

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ O اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ O الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ O (الفجر)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے (قومِ) عاد کے ساتھ کیا کیا؟
(جو) اِرم (کہلاتے تھے) اور (اونچے مضبوط) ستونوں (والی عمارات بنانے)
والے کہ روئے ارضی پر اس (قومِ عاد) جیسی کوئی قوم پیدا نہ کی گئی تھی۔''

فراعنہ مصر کے بنائے ہوئے تہذیبی عظمت کے نشانوں میں اہرامِ مصر ہیں جس میں وہ

اپنے بادشاہوں اور قومی مشاہیر کی لاشوں کو حنوط کرنے کا فن جانتے تھے جس سے اُن کی لاشیں آج صدیوں بعد بھی محفوظ ہیں۔ ان کے بنائے اہرام مصر آج بھی عجائباتِ عالم میں شمار ہوتے ہیں۔ 'خوفہ' کا سب سے بڑا اہرام فراعنہ مصر کے فن تعمیرات کا شاہکار ہیں کہ اس جیسی عمارات آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

◐ اگر یہ پانچ تہذیبیں آج صفحۂ ہستی پر نہیں ہیں اور اُن کے بغیر دنیا ایک نیا جنم لے کر اپنی منزل (قیامت) کی طرف رواں دواں ہے تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر موجودہ خدا بیزار اور وحی دشمن تہذیب پر کوئی 'حادثہ' ہوجائے اور اس تہذیب کا خاتمہ ہوجائے تو کوئی انہونی بات نہیں ہوگی۔ نسلِ انسانی برقرار رہے گی۔

◐ آسمانی ہدایت (تورات، زبور، انجیل اور) قرآن مجید کے بیان کے مطابق یہ قومیں اپنے سائنسی ترقی کے دور کے عین عالم شباب (CLIMAX) میں تباہ ہوئیں۔ گویا اُن پر تباہی کسی ٹیکنالوجی کا فقدان، اقتصادی زوال یا آسمانی ہدایت کی پیروی کرنے پر نہیں آئی بلکہ خدا بیزاری، وحی دشمنی اور آسمانی ہدایت سے راہِ فرار اختیار کرنے اور اس پر مُصرّ رہنے کی وجہ سے آئی۔

◐ یہ شان صرف ان حضرات کے حصہ میں آئی کہ بظاہر وسائل کی کمی اور نامساعد حالات کے جلو میں انھوں نے وقت کے مقتدر طبقات اور حکمرانوں کو نہ صرف للکارا بلکہ مختصر وقت میں مخالفین کو عبرت کا نشان بنا دیا۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام عام انسان تھے مگر وہ خالق کائنات کے نمائندے (رسول - REPRESENTATIVE) ہونے کے دعویدار تھے اور اس کے احکام (اوامر و نواہی یعنی پوری زندگی غیر مشروط اطاعت) کے پابند تھے اور اپنے ہم خیال متبعین کو بھی یہی بتاتے رہے۔ یہ حضرات آسمانی ہدایت کی اصطلاحات میں رسول (MESSENGER) اور نبی (PROPHET) کہلائے۔ یہ حضرات قرآن مجید کے بیان کے مطابق قومِ عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام تھے (4000 ق م)، قومِ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام تھے (3000 ق م)، فرعون اور قومِ فرعون کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے (1500 ق م)، قومِ لوط کی طرف حضرت لوط علیہ السلام تھے (1950 ق م)۔ عراق میں 2000 ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ مدین یا اصحاب الایکہ کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام تھے (1900 ق م)۔

◯ ان باعزیمت افراد کی دعوت اور بار بار کی یاددہانی اور توجہ پر قوم نہیں مانی اور اپنی مالی، اخلاقی ،نفسیاتی اور مذہبی برائیوں میں ملوّث رہنے کی وجہ سے تباہی کا شکار ہوئیں جبکہ حیرت کی بات ہے کہ یہ پیغمبر حضرات اوران کی پیروکار تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود مجموعی طور پر محفوظ رہے اور غالب تعداد میں لبرل، سیکولر اور صرف جبلی تقاضوں (کھانا، پینا، اچھا پہننا اور عیش وعشرت) کے تحت زندگی گزارنے والوں کی مکمل تباہی (EREDIFICATION) کے بعد پرسکون فطری زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوئیں۔ان انبیاء کرام اور رسول حضرات (علیہم السلام) نے ایک نئے فطری طرزِ زندگی اور طرزِ حیات (LIFE STYLE) کو جنم دیا اور دنیا کے ایک خطے میں رائج و نافذ کردیا،جس کے اثرات آج بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔

◯ دنیا (رُوئے ارضی) میں پہلے انسان کے آنے سے لے کر آج تک ایک معرکہ خیر و شر جاری ہے۔ اوپر درج پانچ بڑی تہذیبوں کے دورِ عروج میں خیر دَب گیا (ON BACK FOOT) تھا جبکہ شر دندناتے ہوئے غالب وفرماں روا تھا اوراس دور کے مقتدر شہنشاہ و بادشاہ (نہ معلوم کیوں) خدائی کے دعویدار بھی تھے۔

خیر کے داعیات اور شر کے داعیات انسان کے اندر باطن میں بھی ہیں،اس کی سوچ میں بھی ہیں، گھروں، آبادیوں،قبیلوں،شہروں،حکومتوں اور ایوانوں میں یہ جنگ 24/7 جاری ہےاورتا قیامِ قیامت (رُوئے ارضی پر انسانیت کے خاتمے تک) جاری رہے گی۔

◯ انسان کے اندر بھی ’شر‘ کا عنصر موجود ہے اور اس کے داعیات بھی بھرپور انداز میں موجود ہیں اور موقع اور ماحول ملتے ہی وہ داعیات انگڑائی لیتے اور نمایاں ہوجاتے ہیں۔ ’بشر‘ (ب ش ر) میں ’شر‘ کا پہلو 2/3 یعنی TWO THIRD ہے اگر خیر کے جذبات موجود نہ ہوں۔ اللہ کے پیغمبروں علیہم السلام میں یہی خیر کے جذبات وافر تھے وہ خالق کائنات کے نمائندے، رسول اور ہدایت یافتہ تھے۔ان میں بشریت میں دنیاوی زندگی ★ کا پہلو فطری تقاضوں کی سطح پر کم سے کم PERMISSIBLE LEVEL تک آ گیا تھا (ضروریاتِ زندگی یعنی روٹی، کپڑا، مکان یعنی دنیاوی زندگی کی حد تک) بلکہ اس سے بھی دب گیا تھا اس پر مستزاد یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم

★ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مروی ہے: مَا لِیْ وَ لِلدُّنیَا یعنی مجھے دنیاوی زینت وراحت کی حاجت نہیں۔

عن الخطاء تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے خطا کے امکان کو بھی ختم کر دیا تھا۔ اس پر قیاس کر لیجیے وہ خوش نصیب حضرات جنہوں نے ان پیغمبروںؑ کی تصدیق کی، ان کی ہر قسم کے حالات میں (THRU THICK & THIN) ساتھ دیا اسی راہ میں اپنا جان مال لگایا اور ضرورت پڑی اور انھوں نے اسی راہ میں جان بھی قربان کر دی۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی شر کا پہلو انبیاء کرام علیہم السلام کا عکسِ جمیل تھا۔ اسی ڈگر پر چلنے والے آج کے باعمل مسلمان (PRACTICING MUSLIMS) بھی ہیں جن میں درجہ بدرجہ خیر کا پہلو غالب و ظاہر و نمایاں ہے۔ جبکہ انھیں میں ایسے بھی ہیں جن میں کبھی خیر غالب ہوتا ہے تو کبھی شر غلبہ اختیار کر لیتا ہے اور ایسے بھی ہیں جن NON MUSLIMS میں شر غالب اور خیر کا پہلو کم ہو کر ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

- تاریخ انسانی میں جب شر کا پہلو غالب ہوا تو ایک ماحول بنا۔ شیطانی اور ابلیسی قوتوں نے اس ماحول (ATMOSPHERE) کو غنیمت سمجھا اور اسے استعمال کرتے ہوئے نئے نئے شیطانی فلسفے گھڑ لیے اور اس کو باقاعدہ SCHOOLS OF THOUGHT اور معقول انسانی طرزِ حیات کے طور پر مذہب (دین اور پیغمبروں علیہم السلام کی تعلیمات) کے مقابلے میں میدان میں لا کھڑا کیا۔ انسان کے اندرونی شر (EROTIC ELEMENT) کو شہ ملی اور پھر مقتدر حضرات نے اس ماحول میں اپنی نفسانی اور EROTIC اُمنگوں اور آرزوؤں کی تسکین کے لیے اور عوام میں اپنے دورِ اقتدار کو طول دینے کے لیے ان فلسفوں اور فلسفیوں کو اہمیت دی اور اس طرزِ زندگی کو بطور فلسفہ حیات اختیار کر لیا۔

- دنیا پرست اور بطن و فرج کے پجاری حکمرانوں، شہنشاہوں، راجوں، مہاراجوں، نوابوں اور ان کے اردگرد ELITE کلاس نے بھی انہیں حکمرانوں کے ہاں میں اسی طرح ہاں ملا دی جیسے کسی قوال کے ساتھ 'قوال پارٹی' کی پوری ٹیم ہوتی ہے۔ (میوزک کی دنیا کے لوگ اس ماحول کا خوب تصور کر سکتے ہیں۔)

یہ شیطانی اور ابلیسی خیالات یوں نسل انسانی میں بطور طرزِ حیات (انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں) رواج پانے لگے۔ اس کو بعض خارجی عوامل نے بھی سہارا دیا تو ان فلسفہ ہائے حیات نے عظیم سلطنتوں کی صورت اختیار کر لی اور یوں وہ آئندہ انسانی زندگی کے لیے آسمانی

ہدایت یا 'خیر' کے مقابلے 'شر' کی ایک مجسّم شکل میں آموجود ہوئے۔

◐ یہ یاد رہے کہ روئے ارضی پر انسانی ماحول اور انسانی زندگیوں میں خیر محض اور شر محض کا تصور تو کیا جا سکتا ہے 99.9% اور 0.1% تک سوچا بھی جا سکتا ہے۔ تاہم عملاً حکومتوں، ریاستوں اور شہنشاہتوں میں 'شر' کا پہلو اور اس کے داعیان دب کر (ON BACK FOOT) کم ہوتے ہوئے ایک دو فیصد پر آ جائیں تو یہ ماحول نیکی اور بھلائی کا ماحول کہلائے گا۔

دوسری طرف نیکی کا جذبہ یعنی 'خیر' اور اس کے چاہنے والے کسی انسانی اجتماعیت میں کم ہو کر ایک یا دو فیصد تک آ جائیں تو یہ ماحول شیطانی، ابلیسی، سیکولر، لبرل اور حیوانی ماحول ہوگا اور یہاں کا لائف سٹائل (LIFE STYLE) حیوانی ہو جائے گا بلکہ اس سے بھی ذرا آگے بڑھ کر انسان BEAST بن جائے گا۔ اسی BEASTALITY کے مظاہر گلیوں، چوکوں، مکانوں، گھروں اور پارکوں میں نظر آئیں گے یہی حیوانی مناظر طرزِ تعمیر، طرزِ آرائش اور KEY RINGS میں بھی نظر آئیں گے۔

◐ گزشتہ چھ ہزار سالوں کی انسانی تاریخ کے خیر اور شر کے ادوار کے مناظر ہم گزشتہ سطور میں لکھ آئے ہیں۔ پیغمبروں علیہم السلام کے دور میں یہ شیطانی سوچ آگے بڑھ کر فلسفہ حیات نہیں بن سکی بلکہ ایسی تہذیب عذاب کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ غلبۂ شر کی مثالوں میں فلسفیانہ سطح پر 'شر' اور ابلیسیت کو مدلّل اور RATIONALIZE کر کے پیش کرنا یہ صرف اور صرف یونانی اور رومی ادوارِ حکومت میں پیش آیا۔ یہ امر تاریخ انسانی اور تاریخ انبیاء علیہم السلام کا یہ عظیم سانحہ ہی کہلائے گا کہ یونانی اور رومی سلطنتوں کے پیچھے ان کے 'مشیر' اور چارہ گر ایک ایسی قوم تھی جس کو ان رومیوں اور یونانیوں کے مدّمقابل 'خیر' کے علمبرداروں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کے وارث و امین بن کر کھڑا ہونا چاہیے تھا مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ان (بدبخت) وارثین نے نہ صرف خود آسمانی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا بلکہ 'اصلی' آسمانی کتب کو گما دیا (یا خود چھپا دیا تاکہ آسمانی ہدایت کا کوئی ثبوت نہ رہے۔) تاہم انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلۃ الذہب (GOLDEN CHAIN) انسانی و ابلیسی کوششوں سے ختم کہاں ہو سکتا ہے؟ آسمانی ہدایت کے ماننے والے ایک گروہ نے اپنی جھوٹی انا اور تکبر میں آگے بڑھ کر آسمانی ہدایت کے نمائندوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ

انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے نہ تبلیغ کریں گے اور نہ ان کے رومی و یونانی منصوبے (PREPLANNED STRETEGY) ناکام ہوں گے۔

یونی و رومی سلطنتوں کی اُٹھان، ان کا پھیلاؤ اور ان کے دور میں فلسفیوں کی فوج ظفر موج کا ظہور شیطانی اور EROTIC فلسفہ حیات کا رواج اور ان کو فطرت انسانی کے مطابق ثابت کرنا یہ اسی منحوس دور کی باقیات سیئات ہیں۔

افسوس اس بات کا ہے اس بُرے اور منحوس کام کے لیے ایک ایسا گروہ استعمال ہو گیا اور اس نے ان ابلیسی منصوبہ کو مضبوط بھی کیا اس کو رواج و دوام دینے کی تگ و دو کی۔ اور اس کے لیے "بـامـوالـهـم و انفسـهـم" 'جہاد' یعنی سرتوڑ 'STRUGGLE' کی تا آنکہ یہ ننگ انسانیت فلسفہ ہائے حیات اور تہذیبیں آج دنیا کی مقبول ترین تہذیبیں ہیں۔

◯ آج کی WESTERN CIVILISATIONS کو آپ ڈھونڈیں (INTERNET SEARCH) تو آپ سر پکڑ کر حیران و پریشان رہ جائیں گے کہ آج کی مغربی تہذیب کے پیچھے یونانی علم الاصنام اور رومی طرزِ حکومت و تشدد (TORTURE) ہے۔ (آپ ذرا ہمت کر کے ROMAN TOTURE کے نام پر WEB SEARCH کریں تو آپ کو وہ دل دہلا دینے والے مناظر اور طریقے نظر آئیں گے جو انسان سوچ نہیں سکتا۔ مگر رومن طرزِ حکومت یعنی آج کا مغرب اس پر فخر کرتا ہے اور اسے سرمایۂ حیات سمجھتا ہے۔ (رومن ٹارچر پر زندگی رہی تو کسی وقت الگ صفحات میں تفصیلات بیان کریں گے)۔

◯ یونانی علم الاصنام اور یونانی فلسفہ کے ساتھ ساتھ رومی طرزِ حکومت کے پیچھے ماسٹر مائنڈ (MASTER MIND) افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی باقیات ہیں۔ حضرت یعقوب حضرت اسحاق کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے پوتے ہیں (2000ق م سے 1800 ق م) حضرت موسیٰ علیہم السلام پر ایمان رکھنے والی اس قوم کا ایک حصہ برادرانِ یوسف کی شکل میں سامنے آیا تھا اور صدیوں کے تعامل کے بعد کبھی دب کر (PASSIVELY) اور کبھی جارحانہ انداز میں (ACTIVELY) یہ طبقہ آسمانی ہدایت کا علمبردار رہا اور دنیا میں نمایاں رہا۔

◯ بنی اسرائیل سے متعلق قرآن مجید کا بیان (بیانیہ) اور اس کے کئی مراحل۔ بنی اسرائیل کی مذہبی گراوٹ میں ایک مرحلہ ''تفریق بین الرسل'' کا بھی پیش آیا جو اس تحریر کا عنوان ہے اور آگے کی گفتگو کا مرکزی خیال۔

تفریق بین الرسل کا مفہوم

◯ دین و مذہب کی دنیا میں بڑی بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، اس نے یہ ساری کائنات عدم سے بنائی ہے اور اس میں حضرت انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور انسان میں جسم کے ساتھ روح (ایک غیر مادی وجود) عطا فرمایا ہے۔ روحانی وجود کی رہنمائی کے لیے ضمیر فطرت انسانی میں ودیعت فرمایا ہے اور مزید رہنمائی کے لیے اس فاطر فطرت نے انسانوں میں انبیاء کرام (نبی اور رسول) علیہم السلام بھیجنے کا مبارک سلسلہ جاری فرمایا۔ جس میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی تھے اور پہلے انسان بھی تھے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو بھیجا جس میں 313 رسول تھے۔ ان سب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ ایک سنہری زنجیر ہے جس کے 124,000 کنڈے اور RING ہیں۔ ان سب پیغمبروں کو ماننا، صرف ان کا ضروری اور لازمی ہے نام بنام پیغمبروں کو ماننا ضروری ہے جن کے نام قرآن یا حدیث میں آئے ہیں۔ اس سنہری زنجیر میں سے ایک پیغمبر کا بھی انکار اس زنجیر کو توڑنے کے مترادف ہے۔

اب اس بات کا تقاضہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبروں کو مانا جائے اور گزشتہ ادوار قبل از حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نبی کو ماننے والے جو لوگ نئے نبی آنے پر اس پر ایمان نہیں لاتے تھے وہ منکر نبوت اور کافر کہلاتے تھے۔

تاریخ میں یہود (بنی اسرائیل کا ایک طبقہ) بہت بدنصیب ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پیغمبروں کو مانتے ہیں اور اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام تک بھی۔ پھر آگے نبیوں کا انکار کرتے ہیں۔ عیسائی حضرات یہود کے ساتھ مشترک تاریخ رکھتے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پیغمبروں کو مانتے ہیں اپنے زمانے میں وہ مسلمان کہلاتے تھے جبکہ ان کے نہ ماننے پر بنی اسرائیل

'یہود' کے نام سے موسوم ہوئے۔ اب حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری پر جو یہود اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے وہ مسلمان کہلائے ورنہ یہودی کہلائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے عیسائی نام اپنا لیا۔ اب قیامت تک حضرت محمد ﷺ کے ماننے والے ہی مسلمان کہلائیں گے۔ کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا کہ حضرت محمد ﷺ نے خاتم النّبیّین ہونے کا دعویٰ فرمایا، جس کا ذکر قرآن پاک (الاحزاب:40) میں آ گیا ہے۔ بلکہ اب اگر کوئی دعویٰ نبوت بھی کرے تو وہ کافر ہے اور اس کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے۔ احمدی اور قادیانی اسی وجہ سے کافر ہیں اور اس بات کا پاکستان کے آئین میں بھی اندراج ہو گیا ہے۔

یہود اس لیے غلط ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہیں ختم نبوت اور آخری نبی ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا لہٰذا یہود کے کئی پیغمبروں کے انکار (بلکہ انکار کے بعد قتل کے مرتکب ہونے) پر آسمانی ہدایت اور وحی کے منکر شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی بھی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ختم نبوت اور آخری نبی ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ کے آنے کی خوش خبریاں دی ہیں مگر عیسائی حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے نبوّت کے بطور INISTITUTION منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہیں۔

کچھ نبیوں کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا یہ تفریق بین الرسل ہے اور یہ بہت بڑا جرم اور دھوکا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ نساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًاO اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا O (151-150:04)

''جو لوگ اللہ سے اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں وہ بلا اشتباہ کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

بنی اسرائیل اور قتلِ انبیاء

بنی اسرائیل کا ایک مؤثر طبقہ نہ صرف انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتا رہا بلکہ اپنے شیطانی اور ابلیسی خیالات کے تحفّظ اور فروغ کے لیے اپنے راستے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے وجود کو رکاوٹ سمجھ کر ان کو قتل بھی کرتا رہا اور کسی سرکاری اہلکار کو قتل کرنا بہت بڑا جرم ہوتا ہے اسی طرح آسمانی بادشاہت کے ان نمائندوں (انبیاء) کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے گھناؤنا جرم ہے، جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے جو تورات، زبور اور انجیل کے بعد نازل ہوا اور آخری کلامِ الٰہی ہے اور واحد موجود آسمانی کتاب ہے جو اپنے اصلی متن کے ساتھ دنیا میں موجود ہے اور اس کی دعویدار بھی ہے۔اس قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے اس غالب اور مؤثر طبقے کا یوں تذکرہ وارد ہوا ہے:

01۔ سورۂ مائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِ يْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَاتَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ O وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرًا مِّنْهُمْ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ O (05:70-71)

”ہم نے بنی اسرئیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے۔اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان پر) کوئی آفت نہیں آنے کی، تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی (لیکن) پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔“

02۔ سورۂ بقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَاتَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ O وَقَالُوْا

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ O وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ O (02:87-89)

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو کھلے نشانات بخشے اور رُوح القدس (یعنی جبرئیل) سے ان کو مدد دی تو جب کبھی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے اور کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب اللہ کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس کا فر ہو گئے پس کافروں پر اللہ کی لعنت۔''

- قرآن مجید کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ (ZIONS) اور ان کے اتحادی (ALLIES) یاجوج ماجوج قربِ قیامت میں اُٹھیں گے اور فلسطین میں جمع کر دیے جائیں گے۔ (جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ''ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے''۔ (104:17))
- اسرائیل ملک کے ذریعے یہ طبقہ پوری دنیا پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے اور اپنے ذہن کے مطابق ابدی طور پر روئے ارضی کے وسائل پر قابض رہنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔
- اس کے برعکس مخلص مسلمان خیر کے نمائندے کہلاتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ ان کے رہبر ہیں۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے حالیہ 'شر' کے غلبہ کے بعد سابقہ تہذیبوں کی طرح موجودہ عالمی تہذیب کو بھی نیست و نابود کرنا ہے اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا دورِ مسعود دنیا میں آنا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نازل ہونا، حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا سامنے آنا، یہود کے عالمی لیڈر

دجال کا ظہور اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں اس کا قتل، یہود کا کلیتہً استیصال ——— یہ قرآن وحدیث کا بیانیہ ہے۔

- اس وقت دنیا میں بدامنی اور تیسری عالمی جنگ کے آغاز جیسے حالات کی وجہ یہی ہے کہ گلوب (دنیا) ایک ہی ہے اور اس پر ایک طرف اسرائیل اور یاجوج ماجوج (ملٹی نیشنلز) اپنے مستقل غلبے کی منصوبہ بندی کیے بیٹھے ہیں، دوسری طرف DIVINE PLANNING ہے، جس کا تذکرہ قرآن وحدیث میں ہے اور جس کی خبریں الصادق المصدوق حضرت محمد ﷺ نے دی ہیں کہ روئے ارضی پر اسلام غالب آجائے گا، ہونا وہی ہے جو اللہ چاہے گا اور جس کے لیے اس نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور جس کے لیے عصرِ حاضر میں پاکستان بنا۔ بنی اسرائیل ضد ——— میں مسلمانوں کو ختم کر کے اس آسمانی بادشاہت کے منصوبے کو ناکام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آیئے ——— WAIT & SEE کہ خیر کا پلڑا بھاری ہوتا ہے یا شر کا پلڑا۔ ایک دو عشرہ بعد دنیا بچشم ِسر دیکھے گی کہ 'شر' بری طرح سابقہ تہذیبوں کی طرح پٹ گیا اور نیست ونابود ہو گیا اور 'خیر' غالب آگیا اور اسلام کا GLOBAL DOMINATION کا خدائی منصوبہ کامیاب ہو گیا۔

وما عندی سواك ذاك المقال

قابلِ توجہ

قارئین کرام! کاغذ اور پرنٹنگ کے اخراجات بڑھ جانے کی وجہ سے جولائی 2021ء سے ماہنامہ حکمت بالغہ کا معمول کا شمارہ **60** روپے، سالانہ زرِتعاون **1000** روپے اور تاحیات زرتعاون **25,000** روپے یکمشت ہوگا۔ ان شاء اللہ

فتنۂ دجّال کے منحوس دور کی ایمان سوز کالی گھٹائیں

8 دجّال کے دور کی خصوصیات

انجینئر مختار فاروقی

دورِ دجال کے حالات و واقعات دراصل بنی اسرائیل (یہود)، عیسائیت (آرتھوڈاکس/پروٹسٹنٹس، بازنطینی چرچ، رومی چرچ وغیرہ وغیرہ)، ریاست اسرائیل اور یاجوج ماجوج کا تذکرہ ہے۔قرآن اکیڈمی جھنگ کی شائع کردہ تین کتابوں ◉ صہیونیت ــــ قرآن مجید کے آئینے میں، ◉ یاجوج ماجوج؟ اور ◉ علاماتِ قیامت (ایک حدیث مبارکہ کی وضاحت) میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ذیل میں چند ضروری اقتباسات درج کیے جارہے ہیں:

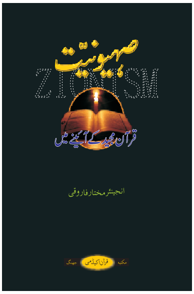

1 صہیونیّت (قرآن مجید کے آئینے میں)
(باب چہارم۔حصہ 4،صفحہ 199)

صہیونیّت کا عالمی سلطنت کا خواب چھ صدیوں کی پیش رفت

◉ مذہب، اخلاق اور ضمیر کے بندھنوں سے آزاد بطن وفرج کے پجاری مغربی معاشروں میں مذہبی ہونا اور FUNDAMENTALIST کہلانا گویا دہشت گرد کہلانا ہے اوراب یہ ایک قسم کی گالی ہے۔انسانوں کے اس سطح پر اُتر جانے کے بعد صہیونیت نے اگلا قدم

یہ اُٹھایا ہے کہ تمام ممالک کی معیشت کو جو پہلے سودی قرضوں اور بینکوں کے نظام میں جکڑی ہوئی تھی اس کو انشورنس، سٹہ، جوا اور سٹاک مارکیٹ کے نام سے مزید جکڑ لیا۔ اس سے آگے بڑھ کر ملکوں کو بھی IMF اور WORLD BANK کے ذریعے بھاری سودی قرضوں میں جکڑ لیا۔ MEGA PROJECTS کے نام پر یہ قرضے کبھی ادا نہیں ہوتے اور قوموں کے وسائل پر ان صہیونی بینکاروں کا قبضہ ہوجاتا ہے۔ آج کی معلوم دنیا میں کم و بیش غیر ترقی یافتہ تمام ممالک ترقی یافتہ ممالک کے یا عالمی مالیاتی اداروں کے مقروض ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ خود ایک عشرہ پہلے تک 15000 بلین ڈالرز کا مقروض ملک تھا اور یہ قرضہ صہیونی بینکرز ہی کا ہے اب تک اس میں غالباً 2000 بلین ڈالرز کا اضافہ ہوچکا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

- اسی طرح صہیونیت نے تمام حکومتوں اور ان ممالک کی صنعتی پیداوار (INDUSTRIAL PRODUCTION) یعنی صنعتی اداروں کو اپنے قابو میں کرلیا ہے اور ان کا کنٹرول بھی ان کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور خوفناک پیش رفت یہ ہوئی کہ صہیونی دماغوں نے WTO (WORLD TRADE ORGANIZATION) کے نام سے ایک ادارہ بنایا اور NEW WORLD ORDER کے عنوان سے اپنی عالمی حکومت کے قیام کا منصوبہ پیش کردیا۔ اس سلسلے میں عالمی سطح کے صنعتی معیارات کو ISO کے نام سے کنٹرول کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور دنیا کے صنعتی اداروں کو اپنا صنعتی مال، خام مال، طریقہ کار وغیرہ کو شفاف بنانے کے نام پر ایک درجہ بندی اور ISO سرٹیفکیٹ کے حصول کا پابند بنادیا گیا۔ جس سے ہر صنعتی ادارے سے ہزاروں ڈالر کی رقم خود بخود صہیونی اداروں میں منتقل ہونا شروع ہوگئی۔ بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ آج کی ساری عالمی انڈسٹری صہیونی بینکاروں، عالمی مالیاتی اداروں اور ISO کے کنٹرول میں ہے۔

- کئی صدیوں سے زرعی شعبہ اس صہیونی گرفت سے آزاد چلا آرہا تھا اور یہ چیز صہیونی منصوبہ سازوں کے لیے سوہانِ روح تھی اور ان کے عالمی حکومت بنانے کے راستے میں بہت بڑی چٹان کی حیثیت سے حائل تھی۔ تاہم گزشتہ چند دہائیوں میں اس ضمن میں چند شاندار کامیابیاں (BREAK THRU) حاصل ہوگئی ہیں اور اب اس شعبۂ زندگی میں بھی صہیونی عمل دخل وقت کے

ساتھ گہرا ہوتا جا رہا ہے اور اگلے ایک دو عشروں میں نا قابل اصلاح حد تک پہنچ جائے گا۔

صہیونیت کی وہ کارروائی یہ ہے کہ عام فصلوں کے HYBRID بیج تیار کیے گئے ہیں۔ زیادہ فصل دینے اور کم محنت سے زیادہ آمدنی کے لالچ میں ہر ملک کے کاشتکار آسانی سے اس جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان اعلیٰ بیجوں کے تیار کرنے والی کمپنیاں (جو صہیونیت کے پرستاروں کے ہاتھوں میں ہیں) اپنے ریٹ بڑھاتی جا رہی ہیں جس سے ان کی MONOPLY قائم ہوتی جا رہی ہے۔ عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ WTO کے عالمی معاہدوں کے تحت ہر ملک کا زرعی شعبہ صہیونی عالمی مافیا کا دست نگر بن جائے گا وہ من مانے دام وصول کریں گے اور گھر بیٹھے کمائیں گے۔ جبکہ دوسرے لوگ محنت کریں گے اور مشکل سے گزارہ کریں اور اخراجات پورے کریں گے۔

اس اختصار کی تفصیل درج ذیل کی مثال سے واضح ہے۔ یہ مثال آج کے مرغی کے گوشت کی دی جاسکتی ہے پہلے گھروں میں مرغیاں پالی جاتی تھیں ـــــ وہ انڈے دیتی تھیں ان سے بچے نکلتے تھے یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا اور ہر گھرانہ خود مکتفی (SELF SUFFICIENT) تھا۔ جبکہ اب فارمی مرغی کے ذریعے ضرورت کے مطابق گوشت کی اور انڈے کی سپلائی تو کئی سو گنا بڑھ گئی ہے جو اچھی بات ہے ہر امیر وغریب کو گوشت میسر آ رہا ہے، انڈے مل رہے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ یہ فارمی مرغی جو انڈہ دیتی ہے وہ انڈہ صرف کھایا جاسکتا ہے اس انڈے سے دوبارہ مرغی کا بچہ پیدا نہیں ہوسکتا مرغی کا بچہ پیدا کرنے کے لیے الگ قسم کی مرغیاں پالی جاتی ہیں وہ خاص انڈے دیتی ہیں ان سے بچے فیکٹری میں نکلتے ہیں وہ بکتے ہیں۔ ہر دفعہ مرغی کے چوزوں کی کھیپ فیکٹری سے خریدنا ہوگی وہ فیکٹریاں خاص خاص لوگوں کی ملکیت ہیں اور بڑی بھاری سرمایہ کاری کر کے بنائی جاتی ہیں۔ یوں دنیا بھر کی پولٹری انڈسٹری ان فیکٹریوں کی محتاج بنا دی گئی ہے جو اس سلسلے میں چوزے فراہم کرتی ہیں۔

اسی طرح پہلے ساری فصلیں یوں پیدا ہوتی تھیں کہ کسان نے کوئی چیز کاشت کی (گندم کی مثال لے لیں)۔ اس کی فصل تیار ہوئی جو تھوڑی بہت فصل ہوئی، اس میں سے اس نے کچھ حصہ اگلے سال کی فصل کے لیے طور بیج رکھ لیا۔ ایک حصہ گھر کی ضرورت کے لیے رکھ لیا، بقیہ بیچ دیا۔ اب رفتہ رفتہ ہمارا زرعی شعبہ ہر فصل کی زیادہ پیداوار کے لالچ میں 'فارمی بیج' یا HYBRID

SEEDS کی طرف دیکھتا ہے، حاصل کرتا ہے، فصل اُگاتا ہے، بیچتا ہے، کماتا ہے مگر اس فارمی گندم سے دوبارہ فصل نہیں اُگائی جاسکتی۔ جیسے فارمی انڈے سے مرغی کا بچہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ سارے کسان اسی کے عادی ہوجائیں گے اور ساری دنیا زرعی پیداوار کے لیے SEED CORPORATIONS کی محتاج ہوجائے گی۔ یہ بیج فراہم کرنے والی کمپنیاں مرضی کے دام لیں گی اور گھر بیٹھے منافع کمائیں گی۔ کسان چھ مہینے کی محنت سے کچھ کمائے یا نہ کمائے، بیج بیچنے والی کمپنیوں کا منافع یقینی ہے اور قبل از وقت ہاتھ آجائے گا۔

اس طرح صہیونی دماغوں نے زرعی شعبہ کو بھی زیرِ دام لانے کا عمل آگے بڑھایا ہے اور بہت کامیابی سے پوری دنیا کے زرعی شعبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

(5) مارکیٹ کنٹرول منافع حاصل کرنا ہر انسان کی ضرورت ہے اور ہر تاجر کا مطمع نظر ہے۔ مگر ناجائز منافع خوری اور دوسرے کا استحصال اخلاقی جرم ہے اور فطرتِ انسانی سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ مگر جب صہیونی دماغوں نے اخلاق دشمن اور مذہب دشمن انسان نما حیوانی معاشرہ تشکیل دیا ہے اور تعلیمی نصاب بھی اس طرح کا بنا کر دو نسلوں سے ایسے ہی لوگ تیار کردیے ہیں تو اب اخلاقی گراوٹ کا رونا بے کار ہے۔ بے حیائی، بدکاری، عریانی، فحاشی، بے راہ روی وغیرہ اب پرانی اصطلاحات ہیں اور اب یہ جرم نہیں رہے۔ لہٰذا مارکیٹ میں بیٹھ کر قیمتوں کا اُتار چڑھاؤ کر کے منافع خوری آج کی کاروباری TACTICS شمار ہوتی ہے۔ اس کام کے لیے مغربی معاشروں نے سٹاک مارکیٹ، یونین سازی، جوا، سٹہ، انشورنس وغیرہ کے نام پر قیمتیں بڑھانے کے طریقے نکال لیے ہیں جس سے صہیونی اپنے مطلب اور مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہیں۔

(6) یونین سازی کسی شعبہ زندگی کے لوگوں کا اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے اکٹھے ہونا اچھی بات ہے مگر اس اچھائی کی کوکھ سے جو برائی جنم لیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس یونین سازی کو ایک مافیا کنٹرول کرتا ہے۔

پولٹری انڈسٹری ہے اس کی مارکیٹ ہے ہر روز نیا ریٹ آویزاں کیا جاتا ہے۔ اگر امریکی یہودی چاہے کہ پاکستان میں پولٹری انڈسٹری کا بھٹہ بیٹھ جائے۔ ریٹ کم کردیے جائیں اور پولٹری فارمز کو ان کے اخراجات سے کم ریٹ پر مرغی بیچنا پڑے تو اس کے لیے صرف اتنا کام

کرنا ہوگا کہ آل پاکستان پولٹری ایسوسی ایشن کے پانچ چھ ممبران کو قابو کرنا ہوگا لالچ اور مفادات دے کران کے ذریعے چند ہفتوں میں پوری انڈسٹری کو تباہی سے دوچار کیا جاسکتا ہے۔

غیر مرئی مافیا ریلوے، پی آئی اے اور فیکٹریوں میں ورکز یونین وغیرہ کے ذریعے کسی بھی اچھے بھلے کاروبار میں زہر گھول سکتا ہے۔حتیٰ کہ اس صہیونیت نے عالمی سطح پر ملکوں اور قوموں کے لیے بھی UNO کا ادارہ بنادیا ہے۔اس ادارے میں ہر ملک کے چار پانچ اہم عہدے دار بیٹھتے ہیں ان کو خرید کر لالچ دے کر، نائٹ کلبوں میں آؤ بھگت کر کے کسی بھی عالمی قرارداد پر ووٹ حاصل کیا جاسکتا ہے۔عراق پر پابندیاں لگانی ہوں یا ایران پر یہ اس صہیونی مافیا کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔کشمیر کی استصواب کی قرارداد پر کبھی عمل نہیں ہوسکتا اس لیے کہ صہیونی مافیا نہیں چاہتا جبکہ تیموریہ کی عیسائی ریاست یا سوڈان کی تقسیم یا اسرائیل کے مفادات کے تحفظ کی قرار دادیں آناً فاناً منظور ہو جاتی ہیں اوران پر عمل درآمد ہو جاتا ہے۔اسی طرح صہیونیت نے ساری دنیا کے ممالک کی حکومتوں کو بھی اپنی مٹھی میں دبوچ رکھا ہے۔

اس پس منظر میں مغربی افکار ونظریات کے تحت ساری دنیا اب ایک گلوبل ویلج (GLOBAL VILLAGE) ہے۔ہوائی سفر، موبائل فون، انفارمیشن ٹرانسفر، انٹرنیٹ، ای میل اور ای بینکنگ نے مزید آسانیاں پیدا کردی ہیں۔کریڈٹ کارڈ نے فضول خرچی (OVER EXPENSES) کو رواج دیا ہے اور ہر گھر، ادارے اور ملک کا بجٹ تباہ کردیا ہے جس کا سراسر فائدہ اسی صہیونی مافیا کو ہے۔

ان حالات میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ صہیونیت نے گزشتہ چھ صدیوں میں اپنی مزعومہ عالمی ہمہ مقتدر حکومت کے قیام کے ضمن میں بے شمار کامیابیاں حاصل کرلی ہیں۔اگر انسانیت بیدار نہ ہوئی اور آسمانی ہدایت کے علمبردار نہ جاگے تو ساری انسانیت اس صہیونی شکنجے میں آخری حد تک جکڑی جائے گی، جس سے نکلنا صدیوں بعد ہی ممکن ہو سکے۔

اس لحاظ سے لائقِ صد ستائش ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ برحق جس نے قرآن نازل فرمایا ہے اور اس میں اس ابلیسی گروہ کے کرتوت واشگاف الفاظ میں بیان فرمائے ہیں اور انسانیت کو اس گروہ کے زہریلے اور انسان دشمن منصوبوں سے آگاہ کیا ہے۔

دنیا بھر میں جو کتاب بھی اس صہیونی گروہ کے خلاف لکھی گئی ہے وہ غائب کر دی گئی ہے مگر قرآن مجید چونکہ آخری الہامی کتاب ہے اور آسمانی وحی ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود قرآن اُتارنے والی ہستی اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ لہٰذا یہ کتاب تا قیامِ قیامت دنیا میں موجود رہے گی۔ قرآن مجید اور اس کے لانے والے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں یہی بات صہیونیت کے پرستاروں اور اس ابلیسی گروہ کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔ اسی لیے اس قرآن پاک کو حیلوں بہانوں سے جلایا جاتا ہے، اس کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور اس کو لانے والی ہستی فخرِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کے فرضی خاکے تیار کر کے آسمان پر تھوکنے کی ناپاک جسارت کی جاتی ہے اس صہیونیت کے ناپاک منصوبوں کے پردوں کو ہر دور میں چاک کرنے والی واحد کتاب یہی قرآن مجید ہے۔

قارئین کرام ـــــ اگر آپ اس صہیونی گروہ کی چیرہ دستیوں، سفاکیوں، ابلیسی منصوبوں، خدا بیزار اور اخلاق دشمن کارستانیوں سے نالاں ہیں اور ان کے راستے میں بند باندھنے کا خیال دل میں رکھتے ہیں تو آیئے قرآن مجید پڑھیے اور اس قرآن مجید کے لانے والے حضرت محمد ﷺ جو رحمت للعالمین ہیں ان کی سیرت کا مطالعہ کیجیے۔ آپ ﷺ نے اسی ابلیسی گروہ سے نجات کی پیش گوئی فرمائی ہے اس صہیونی گروہ کے خاتمے کے لیے کھڑے ہونے والے ہر شخص کے لیے بشارت دی ہے اور خوش خبری سنائی ہے۔ جس دل میں بھی انسان دوستی کی شمع روشن ہے، ضمیر زندہ ہے، اخلاق کی کسک باقی ہے اور خیر و شر کی تمیز ہے اُس سے ہماری استدعا ہے کہ وہ صہیونیت کے سراسر انسان دشمن اور اخلاق دشمن منصوبوں سے انسانیت کو بچانے کے لیے آگے بڑھے اور کمر ہمت کس کر میدان عمل میں کود پڑے تا کہ انسانیت کو صہیونیت کے تیار کردہ اس قعرِ مذلّت میں گرنے سے بچا لے۔

پس نوشت

صہیونیت (ZIONISM) کے اس مضمون میں صہیونیت سے ہماری مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بنی اسرائیل کی ایک واضح تقسیم تو یہود و نصاریٰ کی ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے زمانے تک یہود اور نصاریٰ دو الگ الگ گروہ تھے۔ صرف یہود ہی آسمانی ہدایت کا انکار کر کے اور پیغمبروں کی مسلسل نافرمانی کر کے صہیونیت کا لبادہ اوڑھ چکے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان دونوں میں ہم

آہنگی پیدا ہوتی چلی گئی اور مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے بہت سارے MOU's (MEMORANDUM OF UNDERSTANDING) بنتے چلے گئے ایک وقت میں عیسائیت سے PROTESTANTS نکلے۔ وہ یہود ہی کے زیر اثر تھے مگر ماضی قریب (بیسویں صدی کے آخری عشرے) میں عیسائیت اور یہودیت کی دشمنی ختم ہوگئی اب عیسائیت کے دونوں گروہ اور یہودیت سب اکٹھے ہیں اور صہیونیت کے ایجنڈے کے لیے ہی کام کر رہے ہیں۔

صہیونیت میں یہود کو CORE کی حیثیت حاصل ہے اور سارے ابلیسی منصوبے انہیں کے ابلیسی دماغ کی پیداوار ہیں۔ تاہم یہود یا بنی اسرائیل بھی ایک متحدہ اور یک جان (MONOLITHIC) گروہ نہیں ہے۔ بقول قرآن مجید تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (14:59) (شاید تم خیال کرتے ہو کہ یہ سب اکٹھے (اور ایک جان) ہیں مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں)

بنی اسرائیل کے اس گروہ میں جو صہیونیت کا اندرونی حصّہ (CORE) کہلاتا ہے اس کا بھی ایک مزید اندرنی حصہ (INNER CORE) بھی ہے۔ گویا یہ صہیونیت بھی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ قدامت پرست یہودی یا PRACTICING JEWS کہلاتے ہیں جبکہ دوسرے آزاد منش یہودی یا LIBERAL JEWS کہلاتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں کچھ کشاکش اور اختلافات بھی ہوں گے مگر وہ اختلافات باہر کی دنیا کے لیے بڑے غیر اہم اور LOW PROFILE میں رہتے ہیں۔ اجتماعی مقاصد کے لیے وہ ایک ہی ہیں۔ قدامت پرست یہودیوں کی لبرل یہودیوں کی کارستانیوں پر خاموشی ہی ان کی 'نیم رضا' کیا مکمل ہم آہنگی کی دلیل ہے۔ ان دو گروہوں کی ذیل میں دی گئی قدرے تفصیل مفید مطلب ہوگی ان شاءاللہ۔

یہ بات مشہور ہے اور صحیح طور پر کہی جاتی ہے کہ یہودیت ایک نسلی مذہب ہے اور صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے ہے۔ ویسے تو عیسائیت بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لیے تشریف لائے تھے۔ یہ حقیقت انجیل مقدس میں بھی ہے اور قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے۔ مگر سینٹ پال نے عیسائیت کو توسیع دے دی، من گھڑت تاویلات کیں اور ایک عالمی تبلیغی مذہب بنا دیا۔ یہ ایسی تاویلات تھیں کہ جس طرح دور حاضر کے کچھ خیر خواہانِ اسلام کرتے ہیں جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

ز من بر صوفی و مُلاّ سلامے — کہ پیغامِ خدا گفتند ما را

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفیٰ ؐ را !

ترجمہ: ''ہم صوفی اور ملا کو سلام کہتے ہیں کہ وہ ہمیں پیغامِ خدا بتاتے ہیں۔ لیکن ان کی (من گھڑت) تاویلات نے خدا، جبریلؑ اور مصطفیٰ ﷺ کو حیرت میں ڈال دیا ہے''۔ گویا سینٹ پال کی تاویلات نے خدا، جبریل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

سارے انبیاء بنی اسرائیل خصوصی طور پر انہیں کے لیے اور انہیں میں سے آئے تھے۔ تاہم یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ آغاز سے ہی غیر بنی اسرائیل لوگ بھی اس جمعیت کا حصہ بنتے رہے ہیں۔ اگرچہ مخصوص بنی اسرئیلی ذہنیت نے انہیں کبھی 1st GRADE JEW قرار نہیں دیا۔ اس کے چند شواہد درج ذیل ہیں:

- حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر تھے مُلک '(بادشاہ) تھے حکمران تھے اہل مصر کا ایک طبقہ یقیناً ان پر ایمان لایا تھا مگر اس طبقہ کا ذکر غائب ہے۔
- سورۃ المؤمن (40) میں ہے کہ آل فرعون کا ایک حق پرست اور باضمیر انسان (رجل من آل فرعون) کھڑا ہو کر بھرے دربار میں ایمان کی صدا بلند کرتا ہے۔ کیا وہ صرف اکیلا تھا اس کا کنبہ قبیلہ علاقہ یقیناً کافی تعداد میں ایسے لوگ تھے جو اس شخص کے ہم خیال تھے مگر ان کا ذکر بھی تاریخ میں محفوظ نہیں ہے۔
- بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے اور پھر جہاد سے انکار پر صحرانوردی کی سزا ہوئی تو ان کا یک قبیلہ گم ہو گیا تھا اسے LOST TRIBE کہتے ہیں اس قبیلہ نے کہیں پہنچ کر کیا کیا ہے یہ بھی عام دنیا کی معلومات سے غائب ہے یقیناً بنی اسرائیل اس کا علم رکھتے ہوں گے۔
- حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ چالیس سال حکمران رہے پیغمبر تھے۔ ان کے دور میں یمن کی ملکہ سبا (بلقیس کا نام مشہور ہے) ایمان لے آئی، اس کی پوری قوم ایمان لے آئی۔ مگر اس قوم کا بھی بطور اہل ایمان تذکرہ یہودیت کی تاریخ میں اتنا معروف نہیں ہے جتنا ہونا چاہیے۔

◐ ذوالقرنین کا ذکر قرآن پاک میں ہے بڑا نیک دل صاحب ایمان بادشاہ تھا۔ بائبل (عہدنامہ قدیم) میں سائرس نام کا ایک ایرانی بادشاہ مذکور ہے غالباً وہ یہی ذوالقرنین ہے۔ اس نیک سیرت بادشاہ کے روابط یہود سے ہی ہوں گے تبھی وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا قائل تھا۔ مگر اس کا تذکرہ بھی یہود برملا نہیں کرتے۔

◐ ملکہ سبا (ملک یمن) کی اولاد وغیرہ میں یہودی مذہب قائم رہا ہے اور قرآن پاک میں سورۃ البروج میں جس ظالم بادشاہ اور اس کی قوم کا ذکر ہے کہ وہ اہل ایمان کو ستاتے تھے اور بالآخر مسلمانوں کو خندقیں کھود کر آگ میں ڈال دیا گیا۔ وہ ظالم بادشاہ اور اس کی رعایا یہودی ہی تھے (یہ واقعہ کتب تفاسیر میں بڑا معروف و مشہور ہے) یہ واقعہ 300ء اور 400ء کے درمیان کا ہے۔

◐ یہودی زمانہ قدیم سے (حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور سے ہی) عالمی سطح کی تجارت میں آ گئے تھے اور یورپ کے جنوبی ساحلوں سے لے کر مشرق وسطی، یمن، ہندوستان، مشرق بعید اور شمال میں شاہراہ ریشم کے ذریعے چین تک جاتے تھے۔ اس طرح ان کے زیر اثر لوگ بھی ان کے ہم مذہب بنتے رہے۔ چین کی قدیم تاریخ میں اس بات کے شواہد موجود ہیں۔

◐ آٹھویں یا نویں صدی عیسوی میں کوہ قاف میں سدّ ذوالقرنین کے پار ایک بادشاہ نے (بمع رعایا) یہودی مذہب اختیار کرلیا اور یہودیوں کا تیرھواں قبیلہ (13th TRIBE) کہلایا۔ اس قبیلہ کا تذکرہ بھی عرصے تک دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہا بلکہ اوجھل رکھا گیا تا آنکہ ARTHUR KOESTLER نے 1976ء میں اس موضوع پر کتاب لکھ دی THE THIRTEENTH TRIBE, THE KHAZAR EMPIRE AND ITS HERITAGE۔ اس طرح دنیا اس کی تاریخ سے واقف ہوئی کہ یہودی مذہب نسلی بنیادوں کے علاوہ بھی پھیلا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ نسلی بنیادوں پر استوار اس یہودی مذہبی سرشت نے غیر اسرائیلی کو کبھی اپنے برابر کا مقام نہیں دیا۔ اگر غیر یہودی لوگ بنی اسرائیلیوں کے نزدیک GENTILES اور انسان نما جنگلی حیوان ہیں تو یہ تیرھواں قبیلہ بھی ان کے نزدیک گھریلو پالتو حیوانوں سے زیادہ درجہ نہیں رکھتا اور وہ انہیں اپنے مذہب میں اپنی طرح شمار نہیں کرتے اسی لیے

یہ مذہبی شعار اور پابندیوں سے آزاد اور 'لبرل' کہلاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

حاصل کلام یہ کہ آج عملی طور پر دنیا کے سامنے صہیونیت ــــــ یہودیت (بنی اسرائیلی) اور 13 ویں قبیلہ والے یہودی (غیر بنی اسرائیلی) دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے تو حالات کو سمجھنا اور تجزیہ کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔

2

یاجوج ماجوج؟

حصہ دوم

یاجوج ماجوج کی یلغار

یاجوج ماجوج اور صہیونیّت ایک ہی سکّہ کے دو رُخ

قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کے اس تذکرے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو عذاب کے طور پر یروشلم سے نکالا پھر انہیں مدینے میں آباد کیا تاکہ توبہ کا ایک موقع میسّر آجائے۔ اُنہوں نے حضرت محمد ﷺ کو بھی ستایا ان کے خلاف جنگیں کیں بدر، اُحد اور خندق میں مکّے والوں کو اندرونی تعاون (LOGISTIC SUPPORT) کے وعدوں پر بلایا، جس سے حق کا تو کوئی نقصان نہ ہوا بلکہ ان یہود کا خبث باطن ظاہر ہو گیا کہ بظاہر وہ اس لیے یہاں آباد تھے کہ آخری پیغمبر کی تشریف آوری کے موقع پر ان پر ایمان لائیں گے مگر افسوس کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے طرزِ عمل سے یہ ثابت ہوا کہ وہ صہیونیت کے چوٹی کے ڈھیٹ لوگ تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح حضرت محمد ﷺ کا راستے روکنے اور ان کے خلاف منصوبے بنانے ہی آئے تھے تاکہ وہ اپنے خدابیزار، خدا ناشناس تہذیب اور طرزِ عمل کے منصوبوں کو جاری رکھ سکیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست فاش دی، دوبارہ جلاوطن ہوئے، ان کے دانت ایسے کھٹے ہوئے کہ تاقیامت وہ خود سامنے آکر کبھی جنگ نہیں کر سکیں گے۔

صہیونیت کو دنیا بھر میں جو اپنے ہم خیال میسر آئے وہ یہی یاجوج ماجوج لوگ ہیں۔ ویسے اُنہوں نے اپنے مقصد کے لیے بہت سے گروہوں اور قوموں کو بھی استعمال کیا ہے۔ علامہ اقبال نے 1917ء میں یہودیوں کے یروشلم میں آبادکاری کے بالفور ڈکلریشن کے موقع پر

سلطنتِ عثمانیہ کے زیر قبضہ فلسطین پر اتحادی فوجوں کی بے تحاشہ اور بے رحمانہ یلغار پر فرمایا تھا

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام

چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ یَنسِلُون

برطانوی استعمار اور روسی استعمار کے ناپاک اتحاد پر جس عبقری شخص نے سب سے پہلے یاجوج ماجوج ہونے کا ٹھپہ لگایا وہ علامہ اقبال ہی کی شخصیت تھی۔ قرآن پاک نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے ایک مغضوب علیہم قوم کے دوبارہ اپنی جگہ (عذاب کی جگہ) لوٹنے کے سلسلہ میں ایک استثنا موجود ہے کہ یاجوج ماجوج کے کھولے جانے کے موقع پر انہیں کے تعاون سے ہی ایسا ہوگا۔ یہ جملہ معترضہ ہی کہلائے گا کہ قرآن مجید کے نزدیک بنی اسرائیل (صہیونیت) کا یہ ایک جگہ اکٹھا کیا جانا ــــــ کوئی نیک فال نہیں ہے اور اس میں کوئی مثبت پہلو نہیں ہے بلکہ اس قوم پر ان کے جرائم کی نسبت سے عذاب کی شدت میں کوئی کمی رہ گئی تھی جواب دو ہزار سال بعد پوری کردی جائے گی اور اسرائیل کی اس ناپاک ریاست کو اس کے جملہ سرپرستوں (یاجوج ماجوج) سمیت نیست و نابود کردیا جائے گا۔

یاجوج ماجوج کی بے پناہ جنگی صلاحیت اور ترقی
......ایک عظیم جنگ کا پیش خیمہ ہے

صہیونیت ــــــ یاجوج ماجوج کے جلو میں ایک ایسے راستے پر گامزن ہے جو خالق کائنات کی منشا کے خلاف ہے اور اُس کو ناپسند ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ اَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (13-17)

''اور جو (نظریہ یا خیال) لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے''

اور جو نظریہ، خیال، فلسفہ، طرزِ عمل، طرزِ زندگی اور طرزِ حکومت انسان دشمن اور اخلاق دشمن ہوتا ہے وہ کچھ عرصہ خوب چمکتا ہے مگر بالآخر ختم ہوجاتا ہے اور ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ــــ صہیونیت کے کارپردازوں کا یہ اسرائیل کی شکل میں اجتماع اور ننگِ انسانیت کارروائیاں دراصل ملک اسرائیل اور یاجوج ماجوج دونوں کے لیے ہی ایک شکنجہ (TRAP) ہے جس میں ان کو اکٹھا کر کے بالآخر اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب نازل فرمادے گا۔ اس موقع پر ایک جنگ یقینی

ہے۔ یاجوج ماجوج اور صہیونیت کے پاس بے پناہ جدید جنگی اسلحہ، ٹیکنالوجی اور وسائل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں (اور حقیقت ہے) کہ سامنے کی موجود دنیا میں کوئی زمینی طاقت ان کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی۔ یقیناً ــــــ زمینی طاقت کوئی ایسی نہیں ہے مگر ایک طاقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ایسا کر سکتی ہے۔ ایمان کی بنیاد پر لڑنے والے لوگ قلیل تعداد کے باوجود بارہا بڑے بڑے لشکروں پر غالب آ گئے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے)۔ یہ بات یہود کی اپنی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں یروشلم کی فتح اسی کی واضح مثال تھی جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے اور اب بھی متوقع بڑی جنگ جسے بائبل میں ARMAGADON احادیث میں الملحمة الکبریٰ یا الملحمة العظمیٰ اور قرآن پاک میں باسًا شدیدًا کہا گیا ہے اور عرفِ عام آج کل کی علمی دنیا میں تیسری جنگ عظیم کہا جا رہا ہے، ایسی جنگ ہو گی جس میں ایک طرف اہلِ حق ہوں گے اور دوسری طرف صہیونیت، یاجوج ماجوج اور ان کے ہم خیال و زیر اثر گروہ۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے یہ نکلے گا کہ حق غالب ہو جائے گا اور باطل کا بھیجا نکال دیا جائے گا اور اہل باطل سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کا اس طرح بیان ہوا ہے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ (18:21)

''بلکہ ہم حق کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے''۔

خضار، بنی اسرائیل اور 13 واں قبیلہ

سدّ ذوالقرنین کی تعمیر سے اس درّہ کے قدرتی قدیمی راستے سے سائبیریا سے اٹھ کر اور منگولیا سے نکل کر آنے والے غیر مہذب اور وحشی انسانوں (GOYEMS & GENTILES) کے ریلے اب مہذب دنیا پر حملہ آور نہیں ہو سکتے۔ جبکہ بدویت سے حضارت کا سفر کرنے والے یہ خانہ بدوش قبائل اس رکاوٹ سے بے خبر اپنی فطری اور جغرافیائی مجبوریوں کے تحت نقل مکانی کرتے آگے بڑھ کر یہاں آباد ہوتے رہے۔ پانی کی بہتی کسی چھوٹی ندی کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی جائے تو پانی آگے جانا تو رک جاتا ہے اور جمع ہونے لگتا ہے سطح بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے اور ایک مدت بعد دائیں بائیں کسی مناسب جگہ سے بہاؤ کا نیا راستہ نکال لیتا ہے۔ یہ راستے ایک یا ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہی حال سد ذوالقرنین کے شمال میں آ کر حضارت اختیار کرنے

والے قبائل کا تھا انسانی آبادی میں اضافہ ہوا تعداد بڑھی ایک ہی جگہ عرصہ گزارنے اور متمدن علاقے کے قریب ہونے سے حضارت اور تہذیب وتمدن کی ہوا لگی۔ عالمی تجارت کی وجہ سے یہ علاقہ پرانے راستوں اور شاہراہوں پر واقع تھا۔ پرانی شاہراہ ریشم کا حصہ یہیں سے ہوکر مغربی علاقوں میں جاتا تھا۔ سدذوالقرنین کے نیچے محفوظ ہونے والی آبادی میں بنی اسرائیل کے ساہوکار اور عالمی تاجر تھے جو بالواسطہ دنیا سے رابطہ رکھ رہے تھے۔ بحرخضر کے پاس آباد ہونے والے سدذوالقرنین کی شمالی طرف کے یہ لوگ خضار کہلاتے ہیں۔ انہی خضار میں سے لوگ یورپ میں جانے لگے اور مشرقی یورپ یونان، اٹلی، جرمنی، سویڈن (SCANDANAVIA)، برطانیہ حتیٰ کہ فرانس، اندلس اور پرتگال تک جا پہنچے۔ ان علاقوں کے تمام قدیم خاندان اسی خضار کے علاقے کے نکلے ہوئے لوگوں کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ قدرے مہذب، بین الاقوامی رابطے رکھنے والے بنی اسرائیل سے میل جول رکھنے کی مناسبت سے علم اور فن میں بھی دوسری اقوام میں آگے تھے۔

ہمارے نزدیک سدِّ ذوالقرنین کے تعمیر میں یہ حکمت بھی ہے کہ آخری پیغمبر ﷺ کی تشریف آوری سے بہت قبل متمدن علاقے کو باہر سے آنے والوں کے لیے سیل (SEAL) کردیا گیا تا کہ یہاں کے لوگوں کو تقریباً ایک ہزار سال تک باہمی تعامل اور INTERACTION کے ذریعے تہذیب وتمدن اور حضارت سے مزید روشناس کرایا جائے اور وہ آخری اور بڑے نبی علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھ سکیں اور اعلیٰ انسانی اقدار، آخری وحی اور تمدن کی اعلیٰ اجتماعی شکل حکمرانی کے لیے عوامی حکومت وخلافت کے تصورات کو سمجھ سکیں اور سب سے بڑھ کر اخوت، مساوات، احترام، جان ومال اور عدل اجتماعی کے تصور کو اختیار کرسکیں۔ لہٰذا سدِّ ذوالقرنین حضرت محمد ﷺ کی آمد اور ہجرت کے بعد فتح مکہ تک اس راستے سے کسی ممکنہ حملہ آور کا راستہ روکے رہی۔ یہاں تک کہ آپ کے وصال کے قریب کے سالوں میں ایک طرف 628ء-640ء کے درمیان یہودیوں کا 'خضار' اقوام سے کوئی معاہدہ ہوا جس کو آپ ﷺ نے سدِّ ذوالقرنین میں سوراخ ہوجانے سے تعبیر فرمایا۔ اور دوسری طرف ختم نبوت کے اعلان کے ساتھ اب بنی اسرائیل کے قتل انبیاء کے مشن کا ہدف نہ رہا۔ لہٰذا یہی وقت ہے کہ 'خضار' کے سب سے زیادہ اور مقتدر طبقے (اشرافیہ) نے یہودیت کو قبول کرلیا ان کے کچھ لوگ نصرانیت کی طرف بھی گئے کچھ مسلمان بھی

ہوئے اور مقتدر طبقہ نے بنی اسرائیل کا مذہب اختیار کر کے ان کا اتحادی بننے کا فیصلہ کیا۔

اس اشرافیہ نے یہودیت قبول کی اور اب حضرت یعقوب علیہ السلام یعنی اسرائیل کی اولاد کے بارہ قبیلوں کے ساتھ 13واں قبیلہ (13TH TRIBE) کہلاتا ہے۔ یہ واقعہ مشہور تو چودھویں صدی عیسوی کا ہے(1300ء کے بعد) مگر درحقیقت اس کی شروعات خلافت راشدہ کے دور کی ہی ہیں۔ واللہ اعلم

اس 'خضار' کے مقتدر خاندانوں کی اولادیں ہی ہیں جو آج بھی یورپ کیا دنیا بھر کی تجارت پر قابض ہیں انہی میں سے ایک خاندان ROTHS تھا اس کی اولاد اب بھی ROTHS CHILDS کہلاتی ہے لفظ کا لہجہ بدل کر راتھ شیلڈ کر دیا تاکہ پہلے گمان میں ایک خاندان کا تصور کا ابھر سکے۔ اسی ROTHS لفظ کی شکل بگڑی یا بگاڑی گئی تاکہ یہ لفظ ذہنوں سے نکل جائے تو RUS بن گیا اور یہ قوم جس وسیع علاقے پر حکمرانی کرتی رہی وہ دوسرے وسطی ایشیا کے علاقوں کی طرف ASIA کے لفظ مل کر RUS-ASIA یا RUSSIA کا لفظ بن گیا۔

خلافت راشدہ کے بعد چھ صدیاں متمدّن دنیا اسلام کا گہوارہ رہی

متمدّن اور غیر متمدّن دنیا کی تقسیم ایسی ہے کہ ایک منظّم اور منضبط زندگی اور شب و روز کے نظام میں جکڑے ہوئے بندے ہونے کا تصور یہیں ملتا ہے جبکہ دو صدی قبل کے وہ علاقے جہاں رات کا یہ تصور نہیں وہ کسی منظّم زندگی اور اوقات کار کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی متمدن علاقے میں انسانوں کے باہمی اتصال سے اعلیٰ افکار و نظریات وجود میں آئے اور انسان انسان کہلانے کا مستحق قرار پایا، انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ہدایت عام ہوئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ذریعے خلافت کا نظام قائم ہوا۔ اسلام کے نفاذ کی برکات سے ساری متمدن دنیا جگمگا اٹھی اور چھ صدیوں تک سارا متمدن وسیع علاقہ امن و آشتی، احترام باہمی، عدل وانصاف، اخوت ومساوات اور عدل اجتماعی کے ساتھ کفالت عامّہ کے تصورات کا گڑھ بنا رہا اور دنیا اندازِ حکمرانی کے عادلانہ اصولوں سے روشناس ہوئی۔

اس متمدن دنیا میں اسلام کے سپاہیوں نے بھی علاقے فتح کیے ہیں مگر یہ فتوحات ماضی کے فاتحین کی یلغاروں سے یکسر مختلف تھیں۔ بقول علامہ اقبال ان فتوحات کا مقصد جلیلہ یہ تھا:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو عجب شے ہے لذتِ آشنائی

جبکہ غیر متمدن دنیا روایتی جابر، ظالم، خود غرض، حریص، عیاش اور بے انصاف حکمران کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ واقعی تاریخ انسانی میں صرف مسلمانوں نے ہی اللہ تعالیٰ کے دین کے فروغ کے لیے تلوار اٹھائی تھی جس کی نظیر دنیا میں اس سے پہلے کہیں نہیں تھی۔

پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی، بنائی کس نے؟

حزب اللہ اور حزب الشّیطان کے نمائندے

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اس کے احکام پر چلتے ہیں وہی مخلص اور حقیقی انسان ہوتے ہیں ایسے ہی لوگ عملی زندگی میں جب اسلام کے لیے کھڑے ہو جائیں اور تعداد بھی مناسب ہو تو حزب اللہ کہلاتے ہیں۔ تاریخ انسانی میں حزب اللہ ــــــ کا نشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے اور اپنے اپنے زمانے میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اب قیامت تک حزب اللہ کے رہنما کے طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی شخصیت ــــــ انسانیت کی معراج ہے اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپ کامل ترین اور اکمل ترین انسان تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے والے تھے۔ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے متمدّن دنیا کے علاقے کو عطا فرمائی کہ وہاں پیغمبر علیہم السلام مبعوث ہوئے اور بالآخر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ اس کے برعکس ــــــ جو لوگ اللہ تعالیٰ یعنی خالقِ کائنات کا کہنا نہیں مانتے، من مانی کرتے ہیں، اپنی مرضی سے زندگی گزارتے ہیں، ظلم، ناانصافی، قتل و غارت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے لوٹ کھسوٹ، بے حیائی اور عیاشی کرتے ہیں حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ وہ شریر انسان کہلاتے ہیں اور ایسے لوگ جمع ہو جائیں اور فوج بن جائے تو حزب الشیطان کہلاتے ہیں۔

تاریخ میں کئی فاتحین اور جنگجو ایسے گزرے ہیں جنھوں نے وسیع علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا مگر کسی مثبت قدر کے فروغ یا انسانیت کی خدمت و بھلائی کے لیے نہیں بلکہ حرص، لالچ، حبِّ جاہ اور ذاتی اقتدار کی خاطر اپنے جیسے لاکھوں کروڑں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ان فاتحین میں کئی مشہور نام ہیں جو عالمی سطح پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ جدید دور کے سارے مؤرخین جنہوں نے تاریخِ عالم پر اپنی رائے زنی کی ہے وہ یورپ اور امریکہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ اس بات پر متفق ہیں کہ سارے عظیم فاتحین بنیادی طور پر سائبیریا سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے سائبیریا فاتحینِ عالم کا گہوارہ کہلاتا ہے۔ خاص اسی موضوع پر انگریزی میں ایک کتاب "SIBERIA -THE CRADLE OF CONQUERORS" موجود ہے پھر ان فاتحین میں منگولیا سے اٹھنے والی شخصیت چنگیز خان کا شمار سب سے اوپر اوّل درجے میں بطور قائد ہے۔ یہ سائبیرین فاتحین، بربریت، ظلم، بے انصافی، قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، عیاشی اور بے حیائی کے فروغ کے نمائندے تھے اور انسانوں کو تاراج کرنے کا کام کرتے رہے جبکہ انسانیت کی کوئی مثبت خدمت نہ کر سکے۔ کہا جا سکتا ہے کہ متمدن دنیا کے حصے میں ہدایت اور حزب اللہ کے لوگ اور انسان دوست، اخلاق دوست اور بنیادی انسانی اقتدار کے فروغ کے نمائندے آئے جبکہ غیر متمدن دنیا (سائبیریا قسم کے علاقوں) کے حصے میں انسان دشمن، اخلاق دشمن، وحی دشمن، خدا بیزار، بے حیا اور حیوانیت کی اقدار کے فروغ کے نمائندے آئے۔

یہی سائبیرین تہذیب حیوانی تہذیب ہے اور BEASTS کو فروغ دے رہی ہے۔ آسمانی ہدایت لوگوں کو انسان بنانا چاہتی ہے تو شیطانی تہذیب انسانوں کو BEASTS کے درجے میں گرانا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بائبل میں یاجوج ماجوج کے حوالے سے BEASTS کا تصور موجود ہے جو مغربی تہذیب کے نمائندوں پر راست آتا ہے۔

تیسری جنگ عظیم کے دو فریق (WW-III)

پہلی جنگ عظیم (WW-I) 1914ء تا 1918ء عجیب طریقے سے لڑی گئی، دونوں فریق ایک سوچ اور ایک ہی گروہ میں سے تھے، دونوں کے پیچھے صہیونیت تھی اور دونوں فریقوں میں سے ایک فریق کے حمایتی مسلمان تھے اور وہ اس فریق کا ساتھ دے رہے تھے۔ صہیونیت کے لیے برابر تھا کہ کون جیتتا ہے یا کون ہارتا ہے۔ دونوں صورتوں میں مقاصد صہیونیت کے ہی پورے ہوتے تھے۔ مگر اضافی طور پر سلطنت عثمانیہ جرمنی کا ساتھ دے رہی تھی۔ جرمنی کے شکست کھانے پر جنگی تاوان اور دیگر فیصلے لاگو ہوئے اور جرمنی سے زیادہ سلطنت عثمانیہ کا نقصان ہوا کہ وہ مسلمان

طاقت تھی اور اس کے حصے بخرے کر کے اسرائیل کے لیے راہ ہموار کر دی گئی۔

دوسری جنگ عظیم (WW-II) 1939ء تا 1945ء بھی اسی اصول پر لڑی گئی اسی طرح اب متوقع WW-III جس کے واقع ہونے میں تو کسی کو شک نہیں ہے کہ حقیقتاً دنیا میں دو متحارب گروہ آمنے سامنے ہیں مگر حالات کو ایک صلیبی جنگ کے نام سے بچانے کے لیے دو گروہ بنیں گے۔ دونوں یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے اور درپردہ اسرائیل کے ہی حمایتی اور خیر خواہ ہوں گے۔ بس ایک گروہ کے ماضی یا عالمی حیثیت کی وجہ سے مسلمان اس کا ساتھ دے رہے ہوں گے۔ لہٰذا بظاہر یہ جنگ دو فریقوں میں ہوگی مگر جس طرف مسلمان ہوں گے اس کو پہلے مرحلے میں شاید فاتح ظاہر کر کے مزید للکارا جائے گا اور بالآخر فیصلہ کن جنگ میں مسلمانوں کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی ہوگی۔

یہاں تک انسانی منصوبہ بندی ہے، آگے جو ہوگا وہ حضرت محمد ﷺ کی احادیث و فرمودات میں ہے اور آپ کے لائے ہوئے عالمی غلبے کی پیش گوئیوں سے ظاہر ہے۔ لہٰذا ایک خدائی فیصلے (DIVINE INTERVENTION) کے ذریعے یاجوج ماجوج کا خاتمہ ہوگا اور مسلمانوں کو کئی نقصانات اور خونریز معرکوں کے بعد کامیابی نصیب ہوگی۔ جس کے بعد عدلِ اجتماعی کا نظام یعنی عالمی اسلامی جمہوری فلاحی ریاست وجود میں آجائے گی۔ اس ریاست کے قیام کے لیے یاجوج ماجوج کا خاتمہ ضروری ہے جو اس باہمی جنگ میں ختم ہو جائیں گے۔

حقیقت یہی ہے کہ جب تک صہیونیت کا ایک بھی فرد (بنی اسرائیل کا فرد) یا اس کا پرستار (یاجوج ماجوج) جو اپنے نظریات پر قائم ہے، موجود ہے دنیا میں کسی حقیقی فلاحی ریاست کا قیام تو دور کی بات ہے اس کے لیے جدوجہد کرنا بھی مشکل کام ہے۔ یہ صلیبی جنگ گزشتہ کئی صدیوں سے جاری ہے اور حتمی نتیجہ تک جاری رہے گی۔ آج کل توہین رسالت ﷺ کا جرم عام ہو رہا ہے اور شاید اس آخری معرکے تک یہ جرم ہوتا رہے گا۔ اس لیے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی یہودی زندہ ہے وہ توہین رسالت کرنے یا دوسروں کو لالچ دے کر یہ قبیح کام کرانے سے باز نہیں آ سکتا لہٰذا یہود کے مکمل خاتمے تک توہین رسالت کا جرم ختم نہیں ہو سکتا امریکہ اور دیگر ممالک یا ان کے نمائندے تو اس صہیونیت کے غلام ابن غلام ابن غلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

3

10 علاماتِ قیامت

(ایک حدیث مبارکہ کی وضاحت)

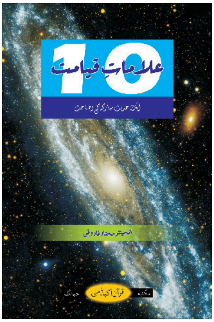

(علامت نمبر 2: الدجال، صفحہ 23)

انسانی ترقی اور آسودگی کے ہر دور میں اخلاقی ضرورت اور رہنمائی کے لیے آسمانی ہدایت کی پہلے بھی ضرورت رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اللہ ربّ العزت نے بے شک ہمارے جسمانی رزق کا بھی بندوبست فرمایا ہے اور روحانی رزق کا بھی۔ ایسے برگزیدہ انسان تشریف لائے جو اخلاق و کردار کی بہت بلندیوں پر تھے۔ اُنہوں نے دعویٰ یہ کیا وہ خالقِ کائنات کے پیغامبر اور فرستادہ ہیں اس خالق کائنات نے عام انسان کی رہنمائی کے لیے انہیں ہدایت دے کر بھیجا ہے اور نمونہ بنایا ہے۔ لہٰذا اُنہوں نے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ــــ ان پر ایمان لائیں اور تصدیق کریں اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کریں۔ ان پیغمبروں علیہم السلام میں کئی نام تاریخ انسانی میں محفوظ ہیں اور آسمانی کتابیں بھی ان کا تذکرہ کرتی ہیں ان پیغمبروں میں آخری اور بڑے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

آج کا دور ــــ تجرباتی علوم کے عروج کا دور ہے اور انسانی ترقی نے انسان کے لیے مادی آسائشوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ انسان آخرت سے منہ موڑ کر دنیاوی زندگی حقیقت کی بجائے ظواہر اور اللہ کی بجائے کائنات کی بحث میں اُلجھا ہوا نظر آتا ہے۔ حقائق نظروں سے اوجھل ہیں مغربی مادی فلسفے انسان کو شرفِ انسانی سے محروم کر چکے ہیں اور انسان ایک اعلیٰ اور اشرف مخلوق سے گر کر حیوان اور BEAST بن چکا ہے۔ یقیناً ــــ جو فتنہ آج کے اس دور میں انسان کے لیے آزمائش اور گمراہی کا ذریعہ بن چکا ہے وہ تاریخ کا سب سے بڑا فتنہ ہی ہے۔

الدجال ــــ خدائی کا دعویدار

آسمانی ہدایت کے علمبردار حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کو نفسانی خواہشات اور دنیوی مفادات سے ہٹا کر آخرت کی کامیابی کی طرف گامزن کرنے کے لیے آتے رہے ہیں۔ ہر دور میں مختلف فتنوں کی نشاندہی کرتے رہے ہیں اور ان فتنوں سے بچاؤ کے طریقے تلقین کرتے

رہے ہیں اور انسان کو اپنے رب سے مدد مانگنے کی تلقین کرنے کے لیے دعائیں سکھاتے رہے ہیں اور ہر نبی علیہ السلام اپنے دور میں اس بڑے فتنے 'فتنۂ دجال' سے خود بھی پناہ مانگتے رہے ہیں اور اپنی اُمت کو بھی اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے شر سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے:

اِنَّہٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ اِلَّا وَصَفَ الدَّجَّالَ لِأُمَّتِہٖ، وَلَأَصِفَنَّہٗ صِفَۃً لَمْ یَصِفُھَا أَحَدٌ کَانَ قَبْلِیْ: اِنَّہٗ أَعْوَرُ، وَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ لَیْسَ بِأَعْوَرَ

''ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے اپنی اُمت کو دجال کی کوئی صفت بیان نہ کی ہو اور میں تمہیں اس کی ایک ایسی صفت بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی کہ وہ (دجال) کانا ہے اور اللہ عزوجل کانا نہیں ہے۔'' (مسند احمد، عن سعد رضی اللہ عنہ)

گویا یہ معین شخص دجال خدائی کا بھی دعویٰ کرے گا۔ اعاذنا اللہ من ذالك

یہ بات زیادہ وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ دنیا میں فرعون اور نمرود خدائی کے دعویدار گزرے ہیں اور ایسے دعویداریوں تو ہر دور میں ہوتے ہیں تاہم قرآن مجید سورۃ الزخرف میں فرعون کے خدائی دعویٰ کی وضاحت کرتا ہے کہ اس کا دعویٰ یہ نہیں تھا کہ آسمان وزمین کو میں نے بنایا ہے بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ 'مصر' کے وسائل اور زرعی رقبہ میرے پاس ہے میں اس کا مالک و حاکم ہوں اور لوگ میری رعیت (تابع) ہیں لہٰذا سب کو میرا 'حکم' ماننا چاہیے، یہ نہیں ہوسکتا کہ لوگ میری رعیت ہوں ـــــ میں کوئی حکم دوں اور لوگ جواب میں کہیں کہ اللہ کا یہ حکم ہے یا اللہ کے رسول کا یہ حکم ہے، میں یہ سننے کو تیار نہیں ہوں لوگوں کو میرا حکم ماننا ہوگا یہ خدائی کا دعویٰ ہے۔ غیر اللہ کی غیر مشروط اطاعت یعنی سیاسی اطاعت اس معنی میں آج بھی بہت سے فرعون ہیں بلکہ ہر انسان اپنے نفس کی گہرائیوں میں دیکھے تو یہی جذبہ ہر انسان کی سرشت میں ہے اسی جذبے کو اپنی حدود میں رکھنا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا' ایمان کا حاصل ہے۔ ذاتی سطح پر غلطی ہوجائے تو توبہ کا راستہ کھلا ہے اللہ معاف کرتا ہے۔ جب سرکشی کا جذبہ پروان چڑھ کر اجتماعی سطح پر پھیل جائے تہذیبی برتری، سائنسی ترقی، مادی وسائل کی بہتات کی موجودگی میں کسی قوم کا سربراہ باقی قوموں کو اپنے ماتحت کرنے کا فلسفہ تراش لے اور اپنے NEW WORLD ORDER کا

اعلان کردے تو یقیناً یہ دورِ حاضر کی فرعونیت ہے اور خدائی کا دعویٰ ہے۔ اس تہذیب حاضر کا کوئی نمائندہ ـــــــ 'الدجال' ہوگا جس کے ہاتھ میں بے پناہ وسائل، تباہی کے اسباب، مصنوعی بارشوں زلزلوں کے فطریقے اور طاقت ہوگی جس کے ساتھ ساتھ وہ خدائی کا دعویدار بھی ہوگا اور باقی اقوام عالم کو اپنا محکوم بنائے گا۔

نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ نے اپنی اُمت اور انسانیت کی رہنمائی و بھلائی کے لیے اس مجسم فتنۂ شخص 'دجال' کے شخصی اوصاف بھی واضح فرمائے ہیں اور اس ماحول کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں کوئی ایسا شخص کھڑا ہوگا ـــــــ آج کا دور فتنۂ دجال کا دور ہے جس کی پہچان کے لیے ایک حدیث مبارکہ میں دس علامات ذکر کی گئی ہیں اور دیگر فرامین رسالت میں بھی مذکور ہیں۔ ان علامات کی روشنی میں اس شخص اور اس دور کو معین کرنا اور اس فتنے سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا اب ہر انسان کے بس میں آ گیا ہے۔ ذرا سی کوشش اور جذبہ صادق درکار ہے مشکل تو ہے بہر حال یہ کام ناممکن نہیں ہے۔..............................

آج انسانیت کہاں کھڑی ہے؟ یہ ہمارے گزشتہ کل سے پتہ چل سکتا ہے اور آئندہ کل انسانیت کا رُخ کدھر ہوگا؟ وہ ہمارا آج بتائے گا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانانِ ہند کی جو نسل 1910ء۔1930ء کے درمیان پلی بڑھی، اس نے پاکستان بنا کر دکھا دیا، جو نسل 1950ء۔1970ء کے درمیان پلی بڑھی اس نے ملک میں 1990ء۔2010ء کے عرصے میں کردار ادا کیا ہے۔ جو کچھ ہمارے بچے ٹی وی کلچر سے پہلے سیکھتے تھے وہ 1990ء تک سامنے تھا۔ ٹی وی اور سینما پر سیکھ کر پروان چڑھنے والی نسل آج ملک کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہے اور ٹی وی جو کچھ 2001ء کے بعد سکھا رہا ہے جب اس میں پروان چڑھی اگلی نسل سامنے آئے گی تو انسانی اخلاقی اقدار کا جو حُلیہ بنے گا وہ ذرا سے تأمّل سے سمجھا جا سکتا ہے۔

عالمی سطح پر یہی کچھ ترقی یافتہ قومیں اور تہذیبیں کر رہی ہیں۔ آیئے...... عالمی سطح کے حالات کو سمجھنے کے لیے تین مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے حالات کو دیکھتے ہیں کہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے اور انسان کہاں کھڑے ہیں؟

برطانوی حکومت کے آغاز میں
دیسی تعلیم کی حالت

2

پروفیسر سیّد محمّد سلیم

(حکمت بالغہ جنوری 2021ء سے وابستہ)

کمپنی کی حکومت کا طرزِ عمل

1021ھ/ 1612ء کے بعد سے انگریزوں نے ہندوستان میں آ کر تجارت شروع کردی۔ ساحلی شہروں میں تجارت کے لیے مراکز قائم کیے لیکن ان کا تصورِ تجارت اوّل روز سے مشرقی تصورِ تجارت سے مختلف تھا۔ مشرق میں تاجر صلح کل اور مرنجاں مرنج قسم کا آدمی ہوتا ہے، مگر انگریز اوّل روز سے دھونس اور دھاندلی کی تجارت کرتے تھے، اسلحے سے مسلح مستحکم قلعوں میں رہتے تھے، کاروبار کے سلسلے میں مسلمان اہل کاروں سے سابقہ پڑتا تھا، وہ ان کے ستم اور دھاندلی کو روکنا چاہتے تھے؛ اس لیے کمپنی کے کارندے مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتے تھے البتہ ہندوؤں اور پارسیوں سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ ہندو اُن ہی کی طرح ایک چالاک تاجر قوم ہے۔

1179ھ/ 1765ء میں جب انگریزوں کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی حکومت ملی تو وہ تیمور یا نادرشاہ کی طرح کوئی نووارد نہیں تھے، بلکہ انھیں یہاں رہتے ہوئے تقریباً پونے دو سال گزر چکے تھے وہ خالی الذہن نہیں تھے یہاں کی مختلف قوموں کے ساتھ دوستی اور دشمنی کے تعلقات رکھتے تھے۔ تمام رعایا ان کی نگاہ میں برابر نہیں تھی۔ وہ ہندوؤں سے گٹھ جوڑ رکھتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تعصّب میں مبتلا تھے۔

دیوانی حکومت مل جانے کے بعد اگر وہ صرف حکمران بن جاتے اور تجارت ترک کردیتے تو توقع کی جاسکتی تھی کہ شاید ذمے داری آجانے کے بعد طرزِعمل میں تبدیلی آجائے، مگر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ حکم رانی کے ساتھ ساتھ بہ دستور تجارت بھی جاری رہی۔ کمپنی کی یہ دُہری حیثیت 1247ھ/1832ء تک برقرار رہی۔ 67 سال تک یہ کمپنی حکم رانی بھی کرتی رہی۔ دنیا میں یہ نرالی مثال ہے کہ حکومت کی طاقت سے مسلح ہو کر تجارت کی گئی۔

اس دہری حیثیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ تاجر بن کر جس نفرت اور حقارت کو وہ اپنے دل میں پالے بیٹھے تھے، تختِ حکومت پر براجمان ہو کر اسی ذہنیت کوانہوں نے حکومت کی پالیسی قرار دے دیا اور حکومت کی پوری مشینری ان مذموم مقاصد کو بہ روئے کار لانے کے لیے حرکت میں آگئی۔ جہاں تک کمپنی کا بس چلا، انہوں نے مسلمانوں کو زک پہنچانے اور کم زور کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ 1297ھ/1880ء تک انگریز کی یہی ذہنیت اور انگریزی حکومت کی یہی پالیسی کارفرما رہی۔ جب یقین ہوگیا کہ اب مریض بے دم اور بے حال ہوگیا ہے، اب کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا، اس وقت نرم پالیسی اختیار کی گئی۔ 1169-1297ھ/1765-1880ء تک کی تاریخ کو انگریز کی اسی ذہنیت کی روشنی میں پڑھنا چاہیے۔ واقعات اور حوادثات کے پس پردہ بہت کچھ بین السطور میں مخفی ہے جن کو پیشِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

کمپنی کی تعلیمی پالیسی

کمپنی نے جو تعلیمی پالیسی بنائی تھی وہ چند واضح نکات پر مشتمل تھی:

1۔ کمپنی کی حکومت کا واضح مقصد انگریزی زبان اور مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا ہے، تا کہ یہاں کے لوگ مغربی تہذیب اور مغربی مذہب کو قبول کر لیں۔ [1]

2۔ دوسرے درجے میں انگریزی زبان جاننے والے ایسے منشیوں اور کلرکوں کی فوج تیار کرنا ہے جو حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا کام دے سکیں۔

3۔ جب تک ایسے کلرکوں کی ایک معقول تعداد تیار نہیں ہوجاتی، اس وقت تک مسلمانوں

---

[1] Dr. Istiaq husain qureshi. Education in Pakistan Ma'arif ltd. Karachi 1975:p,53

کے نظامِ تعلیم کو بہ درجہ مجبوری گوارا کرنا، تاکہ کاروبارِ حکومت میں خلل واقع نہ ہو۔

4۔ اسلامی نظامِ تعلیم کو بہرحال ختم کرنا ہے۔ فارسی زبان کی بالادستی اور ہمہ گیریت کو ختم کرنا ہے۔ رابطہ عوام کے لیے مقامی زبانوں کو فروغ دینا ہے۔ فارسی کی جگہ انگریزی کو ہندوستان کی سرکاری زبان بنانا ہے۔

اس اسکیم پر کمپنی کی حکومت شروع ہی سے عمل پیرا تھی لیکن مصلحت وقت اور فوری ضرورت کے پیشِ نظر پرانے نظامِ تعلیم کو فی الفور ختم نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس جہاں ضرورت متقاضی ہوئی، وہاں قدیم طرز کے مدارس کمپنی کی حکومت نے قائم بھی کیے۔ عدالتی صیغے میں قاضی، وکیل اور پنڈت فراہم کرنے کے لیے پہلے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے 1194ھ/ 1780ء میں عربی اور دینی تعلیم کے لیے کلکتے میں مدرسہ عالیہ قائم کیا۔ 1206ھ/ 1791ء میں بنارس میں 'سنسکرت کالج' قائم کیا گیا۔ یہ کالج جوناتھن ڈنکن (JONATHAN DUNCAN) نے قائم کیا تھا۔ ذاتی شوق اور تجسّس کی بنا پر مستشرقین کی ایک جماعت بھی تیار ہوگئی جو سنسکرت اور ہندو علوم سے بہ کثرت اور عربی، فارسی سے کم تر دلچسپی رکھتی تھی لیکن یہ تمام امور وقتی ضروریات کے تحت آتے ہیں۔ یہ اصلی پالیسی سے ہرگز متصادم نہیں ہیں۔

1244ھ/1828ء میں ولیم بنٹینگ کے دور میں میکالے کے زیر اثر مذکورہ بالا پالیسی پر نظرثانی کی گئی۔ اہم تبدیلی یہ عمل میں آئی کہ طے کیا گیا کہ رابطہ عوام کے لیے اردو کو فروغ دینا ضروری نہیں ہے۔ مشنریوں کی کوشش سے اور دوسرے ذرائع سے انگریزی خواندہ ایک طبقہ پیدا ہو چکا ہے جو رابطہ عوام کا کام بہ خوبی سرانجام دے سکتا ہے۔ اس لیے اب وقت آ گیا ہے کہ قدیم نظامِ تعلیم کی بساط اُلٹ دی جائے اور اس کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ اس تجویز کی مخالفت ہوئی، ردّوکد ہوئی۔ بالآخر 1251ھ/1835ء میں وہ رسوائے زمانہ قرارداد منظور ہوئی، جس میں قدیم نظامِ تعلیم کو یک سر ختم کر دیا گیا۔ حکومت نے مقامی مدارس کا وجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ساتھ ہی فارسی زبان کی بالادستی کو بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

ولیم ہنٹر اپنی حکومت کی تعلیمی پالیسی اس طرح بیان کرتا ہے:

اپنی حکومت کے ابتدائی 75 سال تک ہم اس نظامِ تعلیم (اسلامی نظامِ تعلیم) سے

استفادہ کرتے رہے، تاکہ انتظام چلانے والے افسران تیار ہوتے رہیں۔ اس عرصے میں ہم نے اپنی عوامی تعلیم کی اسکیم بھی جاری کردی تھی۔ جب اس جدید تعلیم سے ایک نئی نسل تربیت پاکر تیار ہوگئی تو ہم نے اسلامی نظامِ تعلیم کو دور پھینک دیا۔ اب مسلمان نوجوان زندگی کے تمام راستے اپنے سامنے مسدود پاتا ہے۔ [1]

اسلامی نظامِ تعلیم کی تباہی

انگریزوں نے بڑے غور و فکر کے بعد دینی تعلیم کے خلاف ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ پھر اس پر رازداری سے اور مستقل مزاجی سے برسوں عمل ہوتا رہا۔ اس کے بعد ملک میں ایسے حالات پیدا کر دیے گئے جن کی وجہ سے مدراس بند ہوتے چلے گئے۔ ان کے قدردان بہ تدریج کم ہوتے چلے گئے۔ ان کے ذرائع و وسائل پر حکومت قابض ہوگئی۔ یہ سب کچھ مخفی طریقے پر ہوتا رہا۔ نتیجہ انگریز کے حسب پسند نکلا۔ مدارس ویران ہوگئے، لیکن کوئی ان پر دو آنسو بہانے والا بھی نہ ملا۔ کسی نے اس صریح ظلم کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ یہ مخفی منصوبہ بہت کامیاب رہا، اس منصوبہ کے تین اجزا تھے:

1۔ ان مدارس سے لوگوں کو بدظن کر دیا جائے۔

2۔ ان مدارس سے فارغ شدہ طلبہ پر رزق کے دروازے بند کر دیے جائیں۔

3۔ ان مدارس کے ذرائع آمدنی پر حکومت قابض ہو جائے۔

علماء کے خلاف بدظنی کی مہم

انسان طبعًا اجتماعیت پسند واقع ہوا ہے۔ معاشرے میں رائج قدروں، اور پسند و ناپسند کے معیاروں سے معاشرے کا ہر فرد متاثر ہوتا ہے۔ پسندیدہ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے، ناپسندیدہ سے اجتناب برتتا ہے۔ غالب طبقہ جس فعل کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ فروغ پاتا ہے اور جن افعال کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ بہ تدریج متروک اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اس ملک میں آ کر انگریزوں نے محسوس کیا کہ مذہب، مسلمان معاشرے میں غالب عنصر ہے۔ علماء کرام

---

[1] W.Hunter. Our Indian Musalman: P.152

معاشرے میں اہم طاقت ہیں۔عوام کی قیادت اور سربراہی علماء کے ہاتھوں میں ہے[1] ان کا مزاج اوران کی طبیعت طبقہ اُمراء سے بالکل مختلف ہے۔اُمراء کے طبقے کوتو جبر اور طمع، دھونس اور لالچ سے رام کرلیا گیا، لیکن یہ قلندرقسم کے لوگ اس طرح قابو میں نہیں آئیں گے اور جب تک مسلمان معاشرے میں طبقہ علماء کی گرفت کوکمزورنہیں کیا جاتا، اس وقت تک مسلمانوں کوکسی دوسری راہ پر چلانا دشوار ہوگا۔اس لیے انگریزوں نے علماء کے اثرات کوناکارہ بنانے کے لیے ایک خفیہ مہم چلائی۔اس طبقے کو بدنام کرنے اور صحیح وغلط ہرقسم کے الزامات ان کے سرتھوپنے، اور ہمیشہ ان کو مکروہ شکل میں پیش کرنے کی ایک مہم چلادی۔ بار بار ایک ہی نوعیت کے الزامات ہر پلیٹ فارم سے دہرائے گئے۔ یہ پروپیگنڈا اس زوروشور سے کیا گیا کہ سارے ملک نے اور خود مسلمانوں کے ایک بڑے حصے نے باور کرلیا کہ واقعی یہ علماء برے ہیں، تنگ نظر ہیں، متعصب ہیں جامد ہیں، ترقی کے دشمن ہیں، سائنس کے خلاف ہیں، انگریزی زبان کے خلاف انہوں نے کفر کے فتوے دیے ہیں۔ ان کا وجود ہی قوم کی ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔علماء کی جانب سے صفائی کا کبھی موقع فراہم نہیں کیا گیا اور اگر انہوں نے حقیقت حال کبھی پیش کی تو اس کی شنوائی نہیں ہوئی۔نہ اس کی اشاعت ہوسکی۔

اس نفسیاتی مہم کا یہ نتیجہ نکلا کہ مولوی اور ملا کا لفظ تنگ دلی اور خرابیوں کا ہم معنی بن گیا، بلکہ ایک گالی ہی بن کر رہ گیا۔آج کوئی جدید تعلیم یافتہ فرد اپنے آپ کو مولوی یا ملا کہلانے کا روادار نہیں ہے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ملا جیون امیٹھی کے اخلاف آج لفظ ''ملا''

---

[1] 1171ھ/1757ء میں پلاسی کی جنگ جیت کر کمپنی نے بنگال میں حکومت قائم کرلی۔آزادئ وطن کی سب سے پہلی کوشش مداری فقیروں نے شروع کی۔ مستان شاہ مداری میواتی، چراغ شاہ، گل شاہ وغیرہ 1175-1199ھ/ 1761-1784ء تک قربِ دہلی سے جا کر بنگال میں کمپنی سے لڑتے رہے۔ پھر 1173-1194ھ/ 1780-1856ء تک فرائضی تحریک میں علماء کمپنی کے خلاف لڑتے رہے۔ پھر 1233-1246ھ/1818-1831ء تک سید احمد شہید بریلوی نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔1246ھ/ 1831ء کے بعد ان کا رخ بھی انگریزوں کے خلاف ہوگیا۔1274ھ/1858ء میں مولانا احمد اللہ نے جہاد کیا۔غرض کہ سوسوا سو سال تک برابر علماء انگریزوں کے خلاف جنگ آزمائی کرتے رہے۔

سے چڑتے ہیں۔ 1

خرد کا نام جنوں رکھ دیا ، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ظاہر ہے کہ جب معاشرے میں علماء کا یہ حال بنا دیا جائے، ادب و احترام ایک طرف، تمام خرابیوں اور ناکامیوں کا سبب ہی علماء کی ذات کو قرار دیا جائے، تو پھر جن درس گاہوں سے ایسے علماء پیدا ہوتے ہیں ان کی کیا عزت و توقیر ہو سکتی ہے۔ اب کون اپنی اولاد کو مولوی یا ملا بنوانے کے لیے تیار ہوگا؟ معاشرے کے ذی حیثیت اور صاحب اثر طبقے نے جو حکومت وقت سے قریب

---

1 ملا کے خلاف مغربی پروپیگنڈے کا افسوں آج تک نہیں ٹوٹا۔ پاکستان میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے ایک کتابچہ 'اقبال اور ملا' کے نام سے شائع کیا ہے۔ حالانکہ 'اقبال اور مسٹر' پر بھی کتابچہ شائع کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال خلیفہ عبدالحکیم نے اپنے کتابچے میں ملاّ کی تنگ نظری اور بے عقلی کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ایک واقعہ یہ لکھا ہے کہ ترکی میں ملاّوں نے چھاپے خانے کو بھی بدعت قرار دے دیا تھا، یہ صریحاً بہتان ہے اور خلافِ واقعہ ہے۔ ترکی میں چھاپہ خانہ ذیقعدہ 1140ھ بمطابق مئی 1728ء میں قائم ہوا ہے، سلطان احمد ثالث کے وزیر اعظم داماد ابراہیم پاشا نوشہری آفندی نے سعید آفندی کی مدد سے قسطنطنیہ میں متفرقہ پریس قائم کیا تھا، اس کا مہتمم ہنگری کا نو مسلم ابراہیم متفرقہ تھا۔ 1142ھ/1729ء شیخ الاسلام عبداللہ آفندی نے طباعت کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک ہندو مسلمان ہونا چاہتا تھا۔ اس کی راہ میں بیوی بچوں کی محبت رکاوٹ بن گئی تھی۔ جن کو وہ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اور ملا کا فتویٰ یہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہی شوہر اور بیوی میں جدائی ہو جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کسی ملا کا فتویٰ نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید کا حکم ہے: وَلَا تُمۡسِكُوۡا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ (الممتحنہ:10) (تم کافر عورتوں سے تعلقات باقی مت رکھو)۔

اب کسی ملا کی تو مجال ہے نہیں کہ وہ اس آیت کی مخالفت کرے۔ عقلاً بھی ذرا غور کرو بیوی تو کفر پر اپنی پختہ ہے کہ سالوں کا سنجوگ چھوڑنے پر آمادہ ہے، مگر شوہر کا پسندیدہ مذہب قبول کرنے پر تیار نہیں اور شوہر اتنا بودا ہے کہ بیوی کی محبت کی وجہ سے اپنے پسندیدہ مذہب کو اختیار کرنے میں ہچکچا رہا ہے، حالانکہ اسلام لانے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ پھر اس کے دل میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر ہو۔ ملا پر تنقید کرنے والے ذرا اپنے گریبان میں بھی منہ ڈال کر دیکھیں۔ ملا کی دین پر ثابت قدمی دیکھیں اور اپنی ابن الوقتی بھی دیکھیں:

گرفتم حضرتِ ملا ترش روست نگاہش مغز را نشناسد از پوست
ولے با ایں مسلمانی کہ من دارم مرا از کعبہ می راند حق اوست (اقبال)

تھا، علماء کو فی الحقیقت حقیر و ذلیل سمجھنا شروع کر دیا۔ دینی تعلیم سے بے تعلقی اختیار کر لی۔ اب ان مدارس میں نہ وہ اپنے نونہالوں کو بھیجتے ہیں، نہ مدارس کی سرپرستی کرتے ہیں، نہ کسی طور پر امداد کرتے ہیں۔ پروپیگنڈے کے زور سے بات دل میں جما دی گئی کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہ علماء اور ان کے یہ مدارس ہیں۔ کوئی شخص صحیح صورت حال کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ نہ اپنی عقل سے غور وفکر کرنے کا روادار تھا۔ سب کی عقلیں اس پروپیگنڈے سے ماؤف ہوگئی تھیں۔ غرض انگریز کی اسکیم بالکل کامیاب ہوگئی۔ بہ قول ولیم ہنٹر ''جو کام ہماری تلوار سے نہ ہوسکا وہ ہماری ڈپلومیسی نے کر ڈالا۔'' حکومت اور عوام کی سرپرستی سے محروم ہو جانے کے بعد دینی مدارس کم سے کم تر ہوتے چلے گئے، تاہم ابھی کچھ سخت جان باقی ہیں لیکن معاشرے کی سربراہی میں ان کا اثر صفر کے برابر رہ گیا ہے۔

اہلِ علم پر رزق کے دروازے بند

حکومت نے اپنی پالیسی کے مطابق سب سے بڑا ظلم یہ ڈھایا کہ اہلِ علم پر ملازمت کے دروازے بند کر دیے، رزق کے ذرائع مسدود کر دیے۔ ان کو نان شبینہ کا محتاج بنا کر چھوڑ دیا۔ یہ ظلم چنگیز خان کی تباہی اور غارت گری سے کسی طرح کم نہ تھا۔ غارت گری اور تباہی چند سالوں رہتی تھی، پھر پرامن حالات عود کر آتے تھے۔ یہاں سو سال سے مسلمان علماء وفضلاء اور شرفاء انگریز کے مظالم کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حوادثات کی چکی میں بری طرح پیسے جا رہے تھے۔

1208ھ / 1793ء میں کارنوالس نے بنگال میں استمراری بندوبست (PERMANENT LAND SETTLEMENT) نافذ کیا، جس کے ذریعے کروڑوں کی مسلمانوں کی زمین داری کوڑیوں کے مول ہندو ٹھیکیداروں کے حوالے کر دی گئی۔ [1] مسلمانوں کے لیے روٹی کا ٹکڑا حاصل کرنا بھی دشوار بنا دیا گیا۔ اِفلاس اور اِدبار مسلمانوں پر مسلط ہوگیا۔ ہندوؤں کے گھروں میں ہن برسنے لگا۔ یہ چٹرجی، سبز جی، مکرجی، سین، داس، گپتا اور ٹیگور سب

---

1. معمولی رقم پر ہندو ٹھیکیداروں کو زرعی زمینیں دوامی طور پر دے دی گئیں۔

استمراری بندوبست کی پیداوار ہیں۔ ان ہندو ٹھیکیداروں کی سنگ دلی کا یہ عالم تھا کہ مسلمان مزارعین سے چولہا ٹیکس اور شادی ٹیکس تو وصول کرتے ہی تھے، بعض مقامات پر ڈاڑھی ٹیکس بھی وصول کرتے تھے اور عدمِ ادائیگی کی صورت میں سخت اذیت دی جاتی تھی۔ ❶

1232ھ/1817ء کے بعد ہندوستان میں مال گزاری اجناس کی بہ جائے نقدی کی صورت میں وصول کی جانے لگی۔ اس کے بعد خوش حالی ہو یا قحط، سرکاری رقم مال گزاری لازماً ادا ہونا ضروری تھی۔ اس قانون نے کسانوں اور مزارعوں کے گھر کے برتن بھی نیلام کروا یے۔ ہمیشہ کے لیے اِفلاس ان کا مقدر ہو گیا۔

1208ھ/1793ء سے 1262ھ/1846ء تک قوانین بازیافت کی ہنگامہ گردی رہی، جس کی زد میں آ کر لاکھوں علما و فضلا و مشائخ خانوادے محتاج بن کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیے گئے۔ جن کے در سے سیکڑوں کو رزق ملتا تھا، اب وہ خود ایک ایک ٹکڑے کے محتاج تھے۔ 10 اکتوبر 1260ھ/ 1844ء کو لارڈ ہارڈنگ نے ایک نیا قانون نافذ کیا کہ آئندہ سے ملازمت صرف انگریزی خواندہ افراد ہی کو ملا کرے گی۔ ❷ جس کے بعد عربی فارسی کے فاضل افراد ملازمت کے لیے نااہل قرار پائے اور جس شخص نے اے بی سی ڈی (A,B,C,D) یاد کر لی اور شہر کا نام پڑھ سکتا تھا وہ اسٹیشن ماسٹر بنا دیا گیا۔ اب خواہ کوئی شخص علامہ شبلی ہو، ابوالکلام آزاد، یا سید سلیمان ندوی ہو، آسمانِ علم کا کتنا ہی بڑا آفتاب و ماہتاب ہو، مگر سرکار کے یہاں ایک کلرکی کی نوکری پانے کا بھی اہل نہیں رہا۔ اتنا ہی نہیں، ملازمتوں کے لیے ہندو کو نامزد کیا جاتا تھا اور مسلمان کو محروم کر دیا جاتا تھا۔ ولیم ہنٹر تسلیم کرتا ہے کہ ''سندربن کے کمشنر نے گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازمتیں خالی ہوں ان پر سوائے ہندو کے کسی اور کا تقرر نہ کیا جائے''۔ ❸

قانون کے محکمے میں شروع ہی سے مسلمان چھپکے چلے آ رہے تھے۔ پھر اس کا بھی نمبر آ گیا۔ 1281ھ/1864ء میں گورنمنٹ نے ''قاضی ایکٹ'' نافذ کیا۔ جس کے بعد سے مسلمان

---

❶ Dr. Moinudding. Faraidi Movement in Bengal.

❷ 8 دسمبر 1269ھ/1852ء کے بعد کسی ایسے شخص کو ملازم نہیں رکھا جائے گا جو بے علم ہو، یعنی انگریزی نہ جانتا ہو۔

❸ Our Indian Musalman: P.158

قاضی ختم کر دیے گئے اور مسلمانوں کے نکاح اور طلاق وغیرہ کے مقدمات بھی غیر مسلم جج فیصلہ کرنے لگے۔ 1283ھ/1866ء میں صدر عدالت کا نام تبدیل کر کے ہائی کورٹ رکھا گیا اور عدالتی کارروائی انگریزی زبان میں ہونے لگی۔ بہ قول سر سیّد احمد خان ''وکالت پیشہ علماء عدالتوں میں بیٹھے اونگھتے تھے اور ان کے منہ پر مکھیاں بھنبھناتی تھیں۔''

قید و بند اور قتل و ہلاکت کا سلسلہ اس کے علاوہ زوروں سے جاری تھا۔ 1274ھ/1857ء کی بغاوت کا سارا الزام علماء کے سر رکھا گیا۔ سینکڑوں علماء خاک و خون میں نہا گئے۔ بہ قول غالب ''شہر میں کوئی شریف اور سفید پوش باقی ہی نہیں بچا۔'' پھر پکڑ دھکڑ ہوئی۔ ہزاروں علماء کو انڈمان میں نظر بند کر دیا۔ ابھی غصہ فرو نہیں ہوا تھا کہ 1281ھ/1864ء میں ''وہابی مقدمات'' کے نام سے علما پھر نرغے میں آ گئے۔ سینکڑوں کو اذیت ناک سزائیں دی گئیں اور کالے پانی یعنی جزائر انڈمان کی سزا ملی۔۔ ان تدابیر کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ بہ قول ولیم ہنٹر 1286ھ/1869ء تک ایک بھی شریف اور آسودہ حال مسلمان باقی نہ رہا جو کسی سرکاری عہدے پر موجود ہو۔ علماء، فضلاء، نوابین اور اُمراء کی اولادیں لکڑ ہارے اور سقے (HOWERS OF WOOD AND DRAWERS OF WATER) بن جانے پر مجبور ہو گئیں۔ 1 کیا غضب تھا کہ وارن ہیٹلنگز کا شریک کار بنیا کنتو بابو دولت میں کھیلے اور شاہانِ مغلیہ کی اولاد فاقوں مرے۔ کنتو بابو نے اپنی ماتا کے کریا کرم (موت کا کھانا) پر نوے لاکھ روپے صرف کیے تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کنتو بابو کتنا مال دار تھا اور پھر خود وارن ہٹینگز کتنا مال دار ہو گا؟ 2 وارن ہٹینگز کا جمعدار کلکتے میں لاکھوں کی جائداد کا مالک بن گیا تھا اور اُمرائے بنگال کی اولادیں خیرات کے ٹکڑوں پر پل رہی تھیں۔ 3 ؎

بیک گردش چرخِ نیلوفری　　نے نادر بجا ماند نے نادری

فاعتبروا یا اولی الابصار

مدارس کے ذرائع آمدنی مسدود

یہ بات معلوم ہے کہ دینی مدارس کے لئے مالی وسائل مسلمان بادشاہوں اور صاحب

---

1 ایضاً　　2 ابوالحسن اصفہانی۔ قائداعظم میری نظر میں: ص 20

3 عبداللہ یوسف علی۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ: ص 812

ثروت اہلِ خیر حضرات کے عطا کردہ اوقاف، معافی اور جاگیروں سے حاصل ہوتے تھے۔ لاکھوں مدارس ان اوقاف اور معافیوں سے چلتے تھے۔ اس ملک میں مرہٹوں اور سکھوں کو بھی غلبہ حاصل ہوا، وہ بھی غیر مسلم تھے لیکن ان میں سے کسی نے ان جائدادوں سے کبھی تعرض نہیں کیا۔ غیر مسلم حکمرانوں کے زیرِ اثر علاقوں میں بھی مسلمان مدارس بہ دستور چلتے رہے۔

انگریزوں کی تیز بین نگاہوں نے محسوس کر لیا کہ ان مدارس کا خاتمہ ممکن نہیں ہے جب تک ان اوقاف اور جاگیروں پر ہاتھ صاف نہیں کیا جائے۔ دینی مدارس کے خودکار نظام کو وہ اپنی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اس لیے اوّل روز سے وہ ان معافیوں اور جاگیروں کو ضبط کرنے کے درپے تھے۔

پہلے باقاعدہ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے 1186ھ/1772ء میں چارج سنبھالنے کے بعد اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ وہ ان معافیوں کو ضبط کرے گا۔ اس کے اندازے کے مطابق صوبے کی چوتھائی اراضی ان معافیوں میں شامل ہے مگر حکومت کے عدمِ استحکام کے سبب وہ کچھ زیادہ قدم آگے نہ بڑھا سکا۔ دوسرے گورنر جنرل کارنوالس نے پھر معافی کی ضَبطی کا اعلان کیا۔ سلطان ٹیپو سے جنگوں میں اُلجھنے کے باوجود اس نے ان معافیوں کی ضبطی کا سب سے پہلے قانون بنایا جس کا تذکرہ 1208ھ/1793ء میں تجدیدِ چارٹر کے موقع پر پارلیمنٹ کی تقریروں میں سنائی دیتا ہے۔

قانون بازیافت نمبر 19 وضع کردہ سال 1793ء .RESUMPTION ACT NO 19 OF 1793 کی رو سے ''دس بیگھے سے زائد زمین جو 'لاخراج' ہو اور شاہی سند کے بغیر ہو وہ بہ حق سرکار کمپنی بہادر 'بازیافت' سمجھی جائے گی۔'' قانون نمبر 37 مجریہ 1793ء کے مطابق ''زمین 'لاخراج' حین حیاتی، عطیہ شاہی قبل از 1179ھ/1765ء جس کی سند دخیل کار کے پاس ہو تو وہ بحال رہے گی ورنہ ایسی سب زمینیں بہ حق سرکار کمپنی بہادر بازیافت ہو جائیں گی۔ [1]

''بازیافت'' کا لفظ ظاہراً یہ تاثر دیتا ہے کہ حکومت کا مقصد ناجائز زمینوں پر قبضہ کرنا ہے، اس لیے اس پر اعتراض کے بہ ظاہر سادہ سے لفظ کے اندر بس بھرا ہوا ہے۔ اس کا حقیقی مفہوم

---

[1] خوندکار فضل ربی۔ حقیقت مسلمان بنگالہ۔ طبع اول 1895ء طبع ثانی کراچی 1973ء: ص99

اس وقت معلوم ہوا جب معافیوں اور اوقاف کی ضبطیاں شروع ہوگئیں، مدارس کی جائدادیں چھین لی گئیں، لاکھوں خاندان معاشی طور پر تباہ کردیے گئے۔ جو خاندان پشت ہاپشت سے درس وتدریس میں مشغول تھے، اب وہ جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔ کوئی متبادل ذریعہ آمدنی ان کو مہیا نہیں کیا گیا۔ رزق کے دروازے ان پر بند ہوگئے۔ دنیا ان کے سامنے اندھیری ہوگئی۔ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ بازیافت کے یہ ضابطے کتنے شریف اور نجیب خاندانوں پر برقِ بلا بن کر گرے ہوں گے۔

بازیافت کے کام میں سب سے زیادہ سرگرمی مارکوئیس آف ہیٹنگز نے دکھائی اس نے قانونِ بازیافت نمبر 2 وضع کردہ سال 1818ء۔1819ء/1234ھ (LAND RESUMPTION ACT NO: 2 OF 1818-19) نافذ کیا۔ اس کی دفعہ 2 میں درج تھا:

> فرمانِ شہنشاہ دہلی یا سند یا پروانہ یا فرمان کسی وزیر یا نواب یا راجہ کسی اور فرماں روا یا کسی ایسے ہی شخص کا، دلیل نہ ہوگا، جب تک اس کو بہ ذریعہ دفتر ان محکمہ اور ذی حیات گواہان سے اس کے جواز اور معتبری کی تحقیق نہ کرائی جائے۔
>
> ایسی دستاویز کو محض بہ اعتبار مہر یا دیگر تصدیقات کے منظور نہیں کیا جائے گا۔ [1]

یہ قانون سراسر ظلم کا آلہ تھا۔ کسی دستاویز کو مہر اور دیگر تصدیقات کی موجودگی میں گواہوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا، لوٹ کھسوٹ اور بہت بڑے ظلم کا دروازہ کھول دینے کے مترادف ہے۔ بہ قول منشی خوندکار فضل ربی: ''اس نے معافیوں 'لاخراج' کا بالکل صفایا کردیا۔'' طریقۂ کار یہ لکھا تھا کہ ہر معافی کی دستاویز کو جائز تسلیم کیے جانے کے بعد ضروری تھا کہ اوّل قدیم فرمان یا دستاویز طلب کی جاتی تھی، پھر زندہ گواہ طلب کیے جاتے تھے، جو اس فرمان کے جاری ہونے اور مذکورہ خاندان میں مسلسل جاری رہنے کی شہادت فراہم کرتے تھے۔ جس صوبے میں کچے مکانات ہوں، جہاں بے انتہا بارش ہوتی ہو، پھر آتش زنی اور دیمک بھی اپنا کام کرتی رہتی ہو، وہاں صدیوں پرانے شاہی فرمانوں کو طلب کرنا دیدہ ودانستہ ظلم کرنا تھا۔ مزید ستم ان پر زندہ گواہ طلب کرنا تھا۔ مقصود اصلی اس تمام کارروائی سے یہ تھا کہ ہر طریقے سے ان زمینوں پر حکومت قبضہ

---

[1] خوندکار فضل ربی، حقیقت مسلمانان بنگالہ: ص 99 طبع اول 1973ء

کرے، علماء کے خاندان معاشی طور پر بے روزگار رہ جائیں، مدارس بند ہو جائیں۔

ان ضابطوں اور کارروائیوں کو بھی ناکافی سمجھا گیا۔ تیسری مرتبہ ولیم ہینٹنگ نے 1244ھ/1828ء کا ضابطہ نمبر 3 قانون بازیافت نافذ کیا۔ یہ قانون بڑا جامع تھا۔ اسے بڑی تیاری اور بڑے اہتمام کے ساتھ نافذ کیا گیا تھا۔ مدارس کے اوقاف اور معافیوں کے خلاف یہ بھرپور وار تھا۔ ولیم ہنٹر اس سلسلے میں لکھتا ہے:

> احاطہ بنگال اس وقت برما سے لے کر مشرقی پنجاب تک پھیلا ہوا تھا۔ سارے احاطے میں ایک نیا محکمہ بازیافت قائم کر دیا گیا۔ اس کے لیے جدا کلکٹر، ڈپٹی کلکٹر اور دوسرے عہدے دار مقرر ہوئے۔ اس کے لیے مخصوص عدالتیں قائم کی گئیں جہاں فوری فیصلے ہوتے تھے۔ محکمے کی جانب سے مخبروں اور سراغ رسانوں کی ایک فوج ظفر موج سارے صوبے میں گشت کرتی پھرتی تھی، تاکہ معافیوں کا پتہ چلائے۔ جھوٹے گواہ ہر دم تیار رکھے جاتے تھے۔ ترش رو بازیافت کے افسروں نے سارے صوبے کو روند ڈالا تھا۔ سینکڑوں قدیم خاندان تباہ ہو گئے۔ مسلمان کا نظامِ تعلیم جو ان معافیوں کی وجہ سے قائم تھا، حکومت نے اس پر ضربِ مرگ (DEATH BLOW) لگائی۔ ان اٹھارہ سالوں میں (1262-1244ھ/ 1846-1828ء) علماء کا طبقہ بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ [1]

مشنریوں کے کارنامے

اس ''کارِخیر'' میں پادری بھی پیش پیش تھے۔ کلکتے کے ایک پادری ولیم آدم نے ولیم بینٹنگ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی معافیوں اور ان سے قائم شدہ مدارس کا باقاعدہ جائزہ لینا چاہیے، اصل مقصد یہ کہ اوّل یہ معلوم کیا جائے کہ ابھی تک کتنی معافیاں ضبط ہونے سے بچ گئی ہیں اور کتنے مدارس چل رہے ہیں۔ دوم وہ کیا تدبیر عمل میں لائی جائے کہ اسلامی نظامِ تعلیم کا خاتمہ ہو جائے۔ بینٹنگ نے جائزہ کا کام خود آدم کے ہی سپرد کر دیا۔ اس نے سارے ملک کا دورہ کیا اور تین سالوں میں 1251-1254ھ/1835-1838ء تین رپورٹیں پیش کیں۔

---

[1] OUR INDIAN MUSALMAN:P177

یہ جائزہ کس قسم کی علم دشمن کارستانیوں پر مشتمل ہے، اس کا اندازہ رپورٹ میں درج شدہ ایک واقعے سے ہوجاتا ہے۔ ضلع راجشاہی کے قصبے ناٹور باگھا میں اس نے ایک معافی کا پتہ لگایا۔ یہ جاگیر شاہجہاں بادشاہ نے شیخ عبدالوہاب کو معدّ دمعاش کے طور پر دی تھی۔ یہ 42 گاؤں پر مشتمل تھی۔ ہیسٹنگز کے قانون کے تحت اور اس کا بڑا حصہ ضبط ہو چکا تھا۔ بقیہ پر مال گزاری طے کرکے مالکان کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔ مخبروں کی اطلاع پر ولیم آدم وہاں پہنچا۔ دستاویز اس نے خود دیکھی۔ شیخ اور مولانا کے الفاظ سے اس نے یہ استدلال پیش کیا کہ ضرور یہ معافی تدریس کے لیے دی گئی تھی۔ اس لیے کہ شیخ اور مولانا، مدرّس کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اب چوں کہ یہاں کوئی مدرسہ موجود نہیں ہے، اس لیے اس کو بہ حق سرکار ضبط کرلینا چاہیے۔ ❶

بازیافت کی سرگرمیوں نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی۔ معاشی طور پر ان کو تباہ کردیا۔ دینی تعلیم کا سوتا خشک ہوکر رہ گیا۔ اس عالم گیر تباہی سے جو نفرت اور حقارت رعایا کے دل میں بیٹھ گئی تھی۔ پچاس سال کے بعد بھی ولیم ہنٹر اس کی تلخی محسوس کرتا ہے:

> اس دن سے (بازیافت کی مہم) دہشت گردی اور خوف ہمیشہ کے لیے دیہاتی آبادی پر مسلط ہوگیا۔ سینکڑوں قدیم خاندان تباہ ہوگئے۔ ہر غیر جانب دار شخص تسلیم کرلے گا کہ 'بازیافت' خواہ درست ہو، لیکن اس کی کارروائی انتہائی درشت تھی اور ہندوستان کے تصورِ اخلاق کے سخت خلاف تھی۔ لیکن ہمارے افسر رحم کا نام نہیں جانتے۔ وہ سنگ دلی سے قانون کا نفاذ کرتے ہیں۔ اس زمانے کی دہشت گردی کی یاد اب تک لوگوں کے دلوں میں باقی ہے اور ہمارے خلاف نفرت کا ترکہ چھوڑ گئی ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم کا زوال قانون بازیافت سے شروع ہوا۔ ❷ (جاری ہے)

---

❶ OUR INDIAN MUSALMAN: P177 اور حقیقت مسلمانان بنگالہ: ص98

❷ OUR INDIAN MUSALMAN: P.158-159

ماڈرن ازم کی آڑ میں حقوقِ نسواں کا فریب

بشریٰ شیخ صاحبہ

(بشکریہ ہفت روزہ ندائے ملت لاہور، 28 جنوری 2021ء)

اسلام کی آمد نے عورت کے لیے غلامی، ذلت اور ظلم و استحصال سے آزادی کا پیغام دیا اور ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کر دیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں، عورت کو وہ حقوق عطا کیے جس سے وہ معاشرے میں اس عزت و تکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔ اسلام نے مرد کی طرح عورت کو بھی عزت، تکریم، وقار اور بنیادی حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی جہاں ہر فرد معاشرے کا ایک فعّال حصہ ہوتا ہے، اسلامی معاشرے میں خواتین اسلام کے عطا کردہ حقوق کی برکات کے سبب سماجی، معاشرتی، سیاسی اور انتظامی میدانوں میں فعّال کردار ادا کرتے ہوئے معاشرے کو ارتقاء کی اعلیٰ منازل کی طرف گامزن کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ مغربی ڈاکو صرف حقوقِ نسواں مناتے ہیں مگر دیتے نہیں، بلکہ حقوقِ نسواں کے نام پہ عورت تک پہنچنے کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں ان کے چند عجیب فلسفہ سے کہ اگر عورت اپنے گھر میں اپنے لیے اور اپنے شوہر کے لیے اور اپنے بچوں کے لیے کھانا تیار کرتی ہے تو یہ رجعت پسندی اور دقیانوسیت ہے اور اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بن کر سینکڑوں انسانوں کی ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بن کر ان کی خدمت کرتی ہے تو اس کا نام آزادی اور جدت پسندی ہے۔ اگر عورت گھر میں رہ کر اپنے والدین، بہن بھائیوں کے لیے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے، لیکن دکانوں پر ''سیلز گرل'' بن کر اپنی

مسکراہٹوں سے خریداروں کو متوجہ کرے یا دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ آزادی اور اعزاز ہے۔ حقوقِ نسواں کی تحریک دراصل مغربی معاشرے میں عورتوں سے روا رکھے جانے والے سلوک کے خلاف ایک مزاحمت کے طور پر سامنے آئی۔ اس کی بنیادی وجہ وہ معاشرتی رویہ تھا جو خواتین کے حقوق کے معاملے میں تھا۔ عورت کو بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی بھی ناممکن تھی۔ اس کا معاشرتی کردار محدود اور سیاسی کردار محدود تر تھا۔ لہٰذا ان حالات میں خواتین نے اس معاشرتی رویے کے خلاف آواز بلندی کی اور اپنے حقوق کی جنگ کا آغاز کیا۔ اس جنگ کے نتیجے میں امریکہ میں 1839ء میں خواتین کو وراثت میں حق دار قرار دے دیا گیا لیکن سیاسی حوالے سے مقام بنانے کے لیے ان کو ابھی ایک طویل جنگ لڑنا تھی جو کہ نہایت جرات و بہادری سے ان خواتین نے اپنی تحریک کو جاری رکھا اور تقریباً ایک صدی کی طویل جدوجہد کے بعد آخر کار 1920ء میں خواتین کے ووٹ کے حق کو تسلیم کرلیا گیا۔ اسلام میں خواتین کو 1400 سال پہلے ہی تمام تر حقوق دے دیے جا چکے ہیں۔

دین اسلام اس دنیا میں اس وقت آیا، جب انسانیت دم توڑ رہی تھی، انسانی ظلم وجور پر ظلم کی تاریخ بھی آنسو بہا رہی تھی اور عدل ومساوات کی روح تقریباً عنقا ہو چکی تھی۔ اسلام نے ایسے نامساعد حالات کے باوجود انصاف و برابری کا نعرہ بلند کیا اور عملاً بھی اس کی شاندار تصویر پیش کی اور حاکم ومحکوم، آقا وغلام اور اونچ و نیچ کے ناہموار ٹیلوں سے بھرے صحرائے انسانیت میں عدل وانصاف، برابری ومساوات اور یکسانیت وہم آہنگی کے پھول کھلا کر ہر سو نسیم صبح چلا دی۔ اسلام نے عورت کو ذلت ونکبت کے تحت الثریٰ سے اٹھا کر بلندی وعظمت کے بامِ ثریا پر رونق افروز کر دیا، اور اسے ایسے ایسے حقوق عطا کیے جس کا تصور بھی اسلام سے پہلے ناممکن اور معدوم تھا۔ مگر آج جبکہ ہر طرف سے اسلام پر یورش ہو رہی ہے اور طرح طرح کی بے جا تنقیدوں اور لغو اتہامات کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور اسلامی اقدار و روایات کو ناقص بلکہ ظلم اور عدمِ مساوات سے عبارت گردانا جا رہا ہے اور زور وشور سے اس بات کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا ہے، اور اس کے ساتھ عدل ومساوات کا معاملہ نہیں کیا، حالانکہ اگر عقل وخرد کو تعصب سے پاک وصاف رکھا جائے اور دل ودماغ سے منصفانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات

آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ عورت چونکہ تمدن انسانی کا محور و مرکز ہے، گلشن ارضی کی زینت ہے، اس لیے اسلام نے باوقار طریقے سے اسے ان تمام معاشرتی حقوق سے نوازا جن کی وہ مستحق تھی۔ چنانچہ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ قرار دیا، دیگر اقوام کے برعکس اسے ذاتی جائداد و مال رکھنے کا حق عطا کیا، شوہر سے ناچاقی کی صورت میں خلع کی صورت دکھلائی، وارثت میں اس کا حصہ مقرر کرایا، اسے معاشرہ کی قابل احترام ہستی قرار دیا اور اس کے تمام جائز قانونی حقوق کی نشان دہی کی۔ حاصل یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جس قدر حقوق دیے ہیں، خواہ اس کا تعلق ذاتی جائداد و وراثت سے ہو یا شادی یا طلاق کا مسئلہ ہو، کوئی دوسرا مذہب اس کا عشر عشیر بھی پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ اسلام نے عورتوں کو کتنی ترقی دی؟ کیسا بلند مقام عطا کیا؟ قرآن کریم کی لاتعداد آیتوں اور بے شمار احادیث سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اسلام نے پوری دنیا کے سامنے حقوقِ نسواں کا ایسا حسین تصور پیش کیا اور عورتوں کے تئیں وہ نظریات اپنائے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی اس مثبت و مساوی نظامِ عمل پر عش عش کر اٹھے، اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اسلام ہی دراصل حقوقِ نسواں کا علم بردار اور حقیقی ضامن ہے۔ آج اگر مغرب اور مغرب پرست اسلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور اسلام کو حقوقِ نسواں کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں، تو یہ صرف حقیقت سے چشم پوشی کر کے اسلام کو بدنام کرنے کی سازش کے تحت ہے۔ چنانچہ آج بھی بہت سے غیر مسلم مفکرین اور دانایانِ فرنگ اعترافِ حقیقت کرتے ہوئے اسلام ہی کو صنف نازک کا نجات دہندہ اور حقوقِ نسواں کا پاسدار سمجھتے ہیں۔ اسلام نے ہی عورت کو تمام معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حقوق دیے جن کا تصور قبل از اسلام بعید از قیاس تھا۔

اللہ کا محبوب کون؟

(ماخوذ از ماہنامہ کوثر لاہور مئی 21ء)

جو غلطی نہیں کرسکتا، وہ فرشتہ ہے!

جو غلطی کر کے اس پر ڈٹ جائے، وہ شیطان ہے!

جو غلطی کر کے توبہ کر لے، وہ انسان ہے!

اور جو توبہ کر کے اس پر قائم رہے، وہ اللہ کا محبوب بندہ ہے!

کوہِ طور کا سفر

وہ مقام جس کو قرآن پاک اور بائبل دونوں میں مقدس قرار دیا گیا

جمشید خان

(بشکریہ ماہنامہ ہونہار لاہور، مارچ 20ء)

رات تقریباً 10 بجے کا وقت تھا جب ہمیں بتایا گیا کہ تمام افراد میں سے جو بھی کوہِ طور پر جانے کی ہمت رکھتے ہیں اور دل کے عارضے میں مبتلا نہیں ہیں وہ 11 بجے تک ہوٹل کی لابی میں آجائیں۔ ہمیں یہ بھی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ سفر بہت دشوار گزار اور تھکاوٹ سے بھرپور ہوگا اور سردی کا یہ عالم ہوگا کہ کوہِ طور کی چوٹی پر درجہ حرارت منفی 7 درجے کا ہوگا۔ لہٰذا ہم نے جلدی جلدی کھانا کھا کر ہوٹل کے شاپنگ سنٹر سے سردی کے بندوبست کے لیے ٹوپیاں اور مفلر وغیرہ خرید لیے۔ میں تو اس وقت حیرت زدہ رہ گیا جب میں نے یہ دیکھا کہ کوہِ طور کے سفر کے لیے بہت ساری خواتین بھی تیار ہو کر لابی میں آپہنچی ہیں۔ ہم ایک چیک پوسٹ پر پہنچے وہاں انتہائی رش کا عالم تھا اور آخر کار انتہائی سخت جانچ پڑتال کے بعد ہمیں ملٹری والوں نے کوہِ طور کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔

رات کے سناٹے میں ریت پر چلتے ہوئے قدموں کی محض آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ کچھ دیر میں ہم ایک کیمل سٹیشن پہنچ گئے۔ ہمارے کچھ ساتھی جو چلنے کی ہمت نہ رکھتے تھے انہوں نے سواری کے لیے اونٹ بک کروا لیے۔ میری طرح میرے کچھ ساتھیوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اونٹ پر سفر کیا تھا جو کہ خود ایک زبردست ایڈونچر تھا۔ اونٹ اونچائی کی طرف گامزن تھے۔

رات میں سردی مزید بڑھ رہی تھی اور پہاڑ کا سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ آخر ایک مقام پر اونٹ رُک گئے کیونکہ اس مخصوص مقام سے آگے جانا اونٹوں کے لئے ناممکن تھا۔ سردی بہت بڑھ چکی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں سن ہو چکے تھے۔ ہمیں چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ اسی دوران ہمیں وہاں چائے کا کھوکھا نظر آیا جہاں چائے، کافی اور پانی میسر تھا جو کہ اس سردی میں غنیمت نظر آیا۔ اس کے آگے کا سفر مزید مشکل اور سخت تھا کیونکہ اس کے بعد ہمیں تقریباً 900 غیر ہموار سیڑھیاں چڑھ کر کوہِ طور پہنچنا تھا۔ ہم جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے اس مقدس مقام کی اہمیت میرے دل میں اور زیادہ بڑھتی جا رہی تھی اور یہ تجسّس کہ کب وہ لمحہ آئے گا جب ہم اس مقدس مقام پر پہنچیں گے جس کو قرآن پاک اور بائبل دونوں میں مقدس قرار دیا گیا تھا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے تقریباً 95 فیصد انبیاء کرام علیہم السلام کا تعلق اسی پاک سرزمین سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قسم جس جگہ کے متعلق فرمائی تھی وہ کوہِ طور تھا۔ نماز فجر کے بارے میں پہلی روایت بھی کوہ طور سے ملتی ہے۔ اسی طرح ہم رمضان کے دنوں میں جو اعتکاف کرتے ہیں اس کی بھی پہلی روایت کوہِ طور سے ہی ملتی ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کا اعتکاف فرمایا جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ پہلی آسمانی کتاب تورات حضرات موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ وہاں پہنچ کر جو ایک اہم بات سمجھ میں آئی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ تنہائی اور خلوت ہے جس کے لئے ایسی جگہ کا ہونا ضروری ہے جہاں کوئی شور شرابہ نہ ہو۔ اسی مقدس مقام پر حضرت موسیٰ موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے بات ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتھر کی وہ تختیاں مرحمت فرمائی گئیں جو کہ TNE COMMANDMENTS کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بات بھی وہاں جا کر سمجھ میں آئی کہ یہ صرف دس نکات نہیں تھے بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا قانون اُتارا گیا تھا جو آج تک موجود ہے۔

دنیا کے کسی ملک کا کوئی آئین ایسا نہیں ہے جس میں آج بھی یہ 10 نکات شامل نہ ہوں۔ اگر کسی ملک کے آئین کے بیس نکات ہے تو ان میں سے 10 لازماً یہ ہوں گے اور 10

کوئی اور۔ اس مقام کے علاوہ ہمیں پوری دنیا میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں اللہ تعالیٰ نے کسی انسان سے براہِ راست بات کی ہو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بار بار درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ: تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنی ایک ہلکی سی تجلی اس پہاڑ پر نازل کرتا ہوں اگر یہ پہاڑ برداشت کر گیا تو تم بھی مجھے دیکھ لینا۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر ہلکی سی تجلی فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے اور پہاڑ تجلی کے بعد اپنی ہیئت تبدیل کر گیا۔ آج 3200 سال گزرنے کے بعد بھی اس پہاڑ پر زندگی کے آثار کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ رات کے وقت اس پہاڑ کا رنگ کالا ہوتا ہے دن کو یہ گرے رنگ کا نظر آتا ہے اور صبح صادق کے وقت جب سورج کی کرنیں اس پر پڑتی ہیں تو یہ سارا پہاڑ سرخ ہو جاتا ہے۔ ایک دن میں پہاڑ کے تین رنگ میں نے زندگی میں کبھی نہ دیکھے تھے اور درجہ حرارت کا یہ عالم تھا کہ دن کے وقت 35 درجہ حرارت کی گرمی ہوتی ہے اس وقت دن کے اوقات میں پہاڑ پر چڑھنا ناممکن ہے جبکہ رات کو درجہ حرارت منفی 7 درجے تک نیچے گر جاتا ہے اور درجہ حرارت میں اتنا اُتار چڑھاؤ بھی اللہ تعالیٰ کی تجلی کے بعد ہوا ہے۔

کوہِ طور پر پہنچنے کے لیے پہلے آپ کو مصر کے شہر شرم الشیخ میں آنا پڑے گا اور وہاں سے آپ تقریباً تین گھنٹے کا سفر کر کے وادیٔ طور پر پہنچ سکتے ہیں۔ یہاں آنے کے لیے آپ کو گورنمنٹ کا پرمٹ اور راستے میں آرمی کی چھ چیک پوسٹیں کراس کرنا پڑیں گی۔ یہ انتہائی تناؤ والا علاقہ ہے۔ یہاں پر مصر، اسرائیل اور اقوامِ متحدہ کی افواج موجود ہیں۔ مصر کا 95 فیصد حصہ براعظم افریقہ میں ہے جبکہ 5 فیصد حصہ ایشیا میں ہے۔ یہاں اتنی ہی عقیدت سے عیسائی اور یہودی آتے ہیں جتنی عقیدت سے مسلمان کوہِ طور کی زیارت کرتے ہیں۔ یہودی زیادہ تر اسرائیل والے راستے سے آتے ہیں۔ یہ کسی سے بات کرنا تو درکنار سلام کا جواب تک بھی نہیں دیتے اور الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں۔

آخر کار سفر مکمل ہوا اور ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام

ہوتے تھے۔ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور سامنے ایک چھوٹا سا کلیسا بھی بنا ہوا تھا۔ کچھ دیر مسجد میں آرام کرنے کے بعد ہمارے ایک ساتھی نے بآواز بلند فجر کی اذان دی اور ہم سب نے باجماعت نماز فجر ادا کی اور پھر سب باہر اس منظر کو دیکھنے کے لیے اکٹھے ہوئے جس کے لیے تمام رات تھکا دینے والا سفر کیا تھا۔ میری آنکھ نے پھر وہ منظر دیکھا جب سورج کی شعاعیں پہاڑ پر پڑیں تو پہاڑ اپنا رنگ تبدیل کر گیا اور جہاں جہاں سورج کی شعاعیں پڑتی تھیں وہاں تا حد نگاہ پہاڑ سرخ ہو گیا۔ صرف اس ایک منظر کو دیکھنے کے لیے لوگ پوری رات کا سفر کرتے ہیں اور دوسری خاص بات جو میں نے وہاں دیکھی کہ جس طرح سورج، چاند اور ستارے ایک ہی مقام پر نظر آتے ہیں اس طرح اس مقدس مقام پر یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون عیسائی اور کون یہودی اور کون مسلماں!! لیکن جیسے ہی نیچے وادی میں آتے ہیں پھر اپنے اپنے قبیلوں میں بٹ جاتے ہیں۔

کچھ دیر بعد ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا کیونکہ صبح دس بجے سے پہلے پہلے اس پہاڑ کو خالی کرنا ضروری تھا۔ واپسی پر جب ہم نیچے وادیٔ طور کے دامن میں پہنچے تو مجھے وہ جھاڑی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا جس میں پہلی دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آئی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی اور دو بیٹوں کے ساتھ مدین سے واپسی کا سفر کر رہے تھے رات کو سردی بہت زیادہ تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھ کر اپنی بیوی کو کہا کہ ”آپ یہاں انتظار کریں میں وہاں سے تھوڑی سی آگ لے کر آتا ہوں۔“ جب وہ جھاڑی کے قریب پہنچے تو جھاڑی کے اندر سے آواز آئی کہ ”اے موسیٰ! ڈرو نہیں! جوتے اتار دو اور آگے آجاؤ، تم اب ایک مقدس مقام پر ہو اور میں تمہارا رب ہوں“۔ یہ جھاڑی 3200 سال کے بعد آج بھی اس طرح سرسبز و شاداب حالت میں موجود ہے۔ وہاں کے مقامی لوگوں نے بہت کوشش کی کہ اس مقدس پودے کی پیوندکاری کی جائے لیکن اس میں وہ ناکام رہے انہوں نے اسی جگہ کے قریب ایک بیج لگایا جو لگ تو گیا لیکن زمین کے اندر سے کوئی اور پودا وجود میں آ گیا۔ اسی لئے اس جگہ کو مقدس جگہ کہا جاتا ہے کہ یہاں اللہ پاک نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جوتے بھی اتروا دیے تھے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اتارا جو کہ جنت کا میٹھا اور نمکین کھانا تھا۔

مسلمانانِ پاکستان کے لیے لمحہ فکریہ

ابوفیصل محمد منظور انور

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا ، تیرا مسلمان کدھر جائے

آج ہم پاکستانیوں کو من حیث القوم اپنی حالت کا بغور جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے کہ ایٹمی قوت ہونے کے باوجود آج ہم ہر میدان میں ذلیل ورسوا کیوں ہورہے ہیں؟ اور آئے دن ہمارے مسائل میں اضافہ کیوں ہورہا ہے؟ اور ہمارے قومی وملکی حالات بد سے بدتر کیوں ہوتے چلے جارہے ہیں؟ 1971ء میں ہمارا ملک دولخت ہوگیا اور بدترین شکست کا داغ بھی ہمارے ماتھے پر لگ گیا تھا اور آج باقی ماندہ ملک کی حالت بھی ڈانواں ڈول ہے اور اسلام دشمنوں کے لیے ترنوالہ ہیں۔ رورو کر مانگی گئیں ہماری دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں اور ہماری فریادیں بھی نہیں سنی جاتیں۔ یہ دراصل کوئی غیر متوقع اور غیر معمولی صورت حال نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے اجتماعی قومی رویے کا نتیجہ ہے اور یہ رویہ یا طرزِ عمل کیا ہے؟ کہ ہم نے اپنی ترجیحات بدل لی ہیں ہماری اطاعت اللہ کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ ہم اپنے رحیم وکریم رب کو چھوڑ کر بہت سی دوسری طاغوتی، اسلام دشمن مغربی قوتوں کے غلام بن گئے ہیں۔ ہم نے تو اللہ کے ساتھ وعدہ کرکے یہ ملک حاصل کیا تھا کہ اس ملک میں اللہ کے دین کا بول بالا کریں گے مگر آج ہم اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے سے انحراف کر چکے ہیں ایسی صورت حال میں وہ ہماری دعائیں اور فریادیں کیوں

کر سنے گا؟ ہماری دادرسی کیوں کرے گا؟ اور کیوں ہماری مدد کو پہنچے گا؟ چنانچہ اصولی طور پر ہمیں دعائیں بھی اسی سپر پاور سے کرنی پڑتی ہیں جس کی اطاعت کا طوق ہم اپنی گردن پر لٹکائے پھرتے ہیں۔سورۃ مؤمن آیت 4 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا يُجَادِلُ فِيۡ آيَاتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَلَا يَغۡرُرۡكَ تَقَلُّبُهُمۡ فِي الۡبِلَادِ

''نہیں جھگڑتے اللہ کی آیات میں مگر وہی لوگ جو کفر کرتے ہیں۔تو اے نبی ﷺ زمین میں ان کی چلت پھرت آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے''۔

یہاں پر سب مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ اے مسلمانو! ان غیر مسلموں کے مادی وسائل ان کی طاقت ترقی اور ٹیکنالوجی تمہیں مرعوب نہ کرے۔ دیکھو کسی دنیوی سپر پاور کے دھوکے میں آ کر کہیں تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کو بھول نہ جانا۔آج ہم سب ربّ العالمین کو چھوڑ کر لادینی قوتوں کی جھولی میں جا بیٹھے ہیں۔اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنا قبلہ درست کر کے مزید ذلت وخواری سے بچ سکتے ہیں۔آزاد مملکت کے لوگوں کو لاکھوں شہداء کی روحیں آزادی کا مطلب سمجھنے کے لیے پکار رہی ہے کہ ہم نے یہ ملک اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدے کے نام پر حاصل کیا تھا تاکہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزاریں گے مگر سات عشرے گزار لئے اور نفاذِ اسلام کی طرف کوئی پیش رفت ہی نہیں ہوسکی ہے۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں حقیقی اسلامی شریعت کے نفاذ کی بجائے صرف قراردادِ مقاصد ہی ایک دستاویز موجود ہے جو اسلام پرستوں کی تسلی وتشفی کا باعث ہے مگر عملی طور پر ملک اسلامائزیشن سے کوسوں دور ہے اور نفاذِ اسلام کا خواب ادھورا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ کسی حکومت نے بھی محض سودی نظام ہی کو ختم کرنے میں کوئی سنجیدہ اقدام نہیں کیا۔ یہ سودی نظام اسلامی تعلیمات کے مطابق سخت ترین حرام ہے اور اسی کی وجہ سے ہمارے ملک کا معاشی نظام تباہ ہو چکا ہے اور ہم قرضوں کی وجہ سے عالمی مالیاتی اداروں کی غلامی میں جکڑتے جا رہے ہیں۔لوگو ذرا سوچو اور آزادی کی قدر و قیمت کو پہچانو، ایسا نہ ہو کہ ہم ایک بار پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ جائیں۔شاید پوری قوم آزادی کا اصل مطلب ہی کھو چکی ہے۔اور یہ حقیقت ہے کہ ہم غلامی کی تاریک راہوں پر چل کر اپنے آپ کو، اپنے نصب العین کو بھول چکے ہیں۔اغیار کی اندھی تقلید نے ہمارا نصب العین، ہمارے نظریات تک ہم سے چھین

لیے ہیں اور ہمیں اس کا احساس نہیں بھی ہے۔ بقول علامہ اقبال

تھا جو 'ناخوب' بتدریج وہی 'خوب' ہوا   کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

گزشتہ پون صدی سے عیدیں منا رہے ہیں سوشل میڈیا کی پوسٹس گواہ ہیں کہ ہولناک عالمی وبا کرونا کی شدت اور کثرت سے ہونے والی اموات سے بھی ہمارے رویے میں تبدیلی نہیں آئی اور ہم نئے نئے فیشن کے نام پر فضول قسم کی مختلف اشیاء کی خریداری کے لیے بازاروں اور مارکیٹوں میں کس طرح ہلکان ہوتے رہے ہیں اور قوم نے اس سال بھی عیدالفطر کے موقع پر اسراف اور فضول خرچیوں کی اخیر کردی اور لاکھوں کروڑوں لٹا دیئے۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ اور عیدالفطر صبر، ہمدردی اور قربانی کے جذبے کا درس دیتا ہے مگر ان نیک جذبات سے عاری قوم نمائشی افطاریوں پر لاکھوں روپے اڑا ردیتی ہے۔ جبکہ غریب اور مفلوک الحال امسال بھی فاقہ کشی کا شکار رہے۔ برسوں سے ہمارے طور واطوار میں کوئی بھی تبدیلی نظر نہیں آئی اور یہی کچھ اس سال بھی ہوا ہے۔ دنیا بھر کی عدالتوں کے معیار کی رینکنگ میں پاکستانی عدالتوں کا 120 ویں نمبر پر آنا انتہائی خطرناک اور پاکستانی قوم کے لئے باعث شرم ہے۔ قومی معاملات میں سیاسی جوڑتوڑ، بددیانت عناصر کی قومی خزانے میں لوٹ مار اور ان کے فرینڈلی احتساب کی بازگشت نے وطن عزیز کے نظامِ عدل وانصاف پر سوالیہ نشان چھوڑ دیے ہیں جس کے باعث جرائم پیشہ عناصر کی چیرہ دستیوں اور ان کے معمولات میں کوئی فرق نظر نہیں آیا بلکہ پہلے سے بڑھ کر بڑی ڈھٹائی اور کمینگی کے ساتھ جرائم کئے جارہے ہیں اور من حیث القوم عوام کی اکثریت کرپشن اور بددیانتی کی دلدل میں دھنس چکی ہے جو پہلے تھا وہی کچھ اب بھی ہو رہا ہے۔ ہماری موجودہ حالت پر اغیار خوش ہیں کہ مسلم نوجوان مرد وزن ان کی ثقافت کا دلدادہ بن چکے جو لادینیت کے حامل کفار ایسی زندگیاں گزارنے کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔ دنیا وآخرت میں کامیابی اور کامرانی کے لئے ہمیں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندیاں گزارنے اور اپنے معاشرتی رویے بہتر بنانے اور اپنی اصلاح کی فوری ضرورت ہے۔ عدالتیں عوام کو امیر غریب کے امتیاز کے بغیر میرٹ پر انصاف فراہم کریں تا کہ عوام کا نظامِ عدل پر اعتماد بحال رہے۔ مختلف اداروں میں بیٹھے سرکاری افسران اپنے فرائض منصبی ایمانداری اور تندہی سے انجام دے کر قومی

وقار میں اضافہ کریں۔سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹرز کو چاہیے کہ اپنے پرائیویٹ ہسپتالوں کی بجائے عوام کو سرکاری ہسپتالوں میں ہی علاج معالجہ فراہم کرنے کو ترجیح دیں۔تاجر دو نمبر ملاوٹ شدہ مال فروخت کرنے، ناجائز منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی کر کے من مرضی کی قیمتیں وصول کرنے سے باز آجائیں۔صحافی حضرات کسی کی بھی ناجائز پگڑی اچھالنا بند کردیں، میڈیا مالکان صحافت کی آزادی کے نام پر اخلاقی قدروں کی پامالی معاشرے میں عریانیت اور بے راہ روی کو رواج دینے سے باز آجائیں۔ ہمارے میڈیا کو مادر پدر آزاد عریانی وفحاشی پر مبنی مغربی غیر ملکی ثقافتی یلغار کا حصہ بننے سے گریز کر کے اسلامی وقرآنی تعلیمات کو فروغ دینا چاہیے۔کیبل مافیا نے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے اس کے عریانی اور فحاشی پر مبنی پروگرامز کا نتیجہ ہے کہ اقبال کا شاہین صفت نوجوان مغربی اور ہندی تہذیب کا رسیا بن کر اپنی شناخت تک بھول چکا ہے۔روشن خیالی اور حقوقِ نسواں کے نام پر مغربی تہذیب کی دلدادہ چند ننگ دین اور ننگ وطن عورتیں اپنی انجمنیں بنا کر معاشرتی اخلاقیات کا جنازہ نکالنے میں آزاد ہیں انھیں روکنے کی اشد ضرورت ہے۔تحریک انصاف کو عنانِ حکومت سنبھالے تین سال ہو چکے ہیں الیکشن کے موقع پر منتخب وزیر اعظم محمد عمران خان نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فرمان قائد اعظم محمد علی جناح،اور علامہ اقبال کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کو مدینہ منورہ کی اسلامی فلاحی ریاست جیسا رول ماڈل بنائیں گے مگر ابھی تک تو ریاست مدینہ بنانے کی شروعات ہوتی بھی نظر نہیں آئی ہیں۔اللہ کرے کہ قوم سے کیا گیا یہ وعدہ وفا ہو جائے اور ملک کے 22 کروڑ عوام مادر پدر آزاد مغربی معاشرے کے آزاد منش انسانوں کی بجائے ایک صحیح اسلامی نظریاتی اور فلاحی مملکت کے ذمہ دار اور محبّ وطن شہری بن کر اقوامِ عالم میں اپنا مسلم تشخص بحال کر کے احسن کردار ادا کریں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔

؎ خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصل گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

تبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: حافظ عطاء الرحمٰن

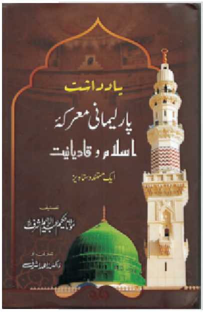

1 یادداشت۔ پارلیمانی معرکۂ اسلام وقادیانیت، ایک مستند دستاویز

تالیف: مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف

تدوینِ نو: ڈاکٹر زاہد اشرف

ناشر: مکتبہ المنبر، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

زیرتبصرہ کتاب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء وہ دستاویز ہے جس نے ارکانِ اسمبلی کو اس عظیم فیصلے تک پہنچنے میں بہت مدد دی تھی جس کے ذریعے 7 ستمبر 1974ء کو قادیانیت کے ناسور کو ملتِ اسلامیہ کے جسدِ پاک سے نکال باہر کردیا گیا تھا۔ جب 1974ء میں فتنۂ قادیانیت کے خلاف تحفّظِ ختمِ نبوت تحریک کے پلیٹ فارم سے پُرامن جدوجہد کا آغاز ہوا تو اُس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اِس مسئلہ کو قومی اسمبلی میں بحث کے لیے پیش کردیا۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف بہت معاملہ فہم اور بیدار مغز تھے، چنانچہ انھوں نے قادیانی ملعون کی کتابوں سے اس کی کفریات کو جمع کیا اور حوالہ جات کے ساتھ یہ دستاویز تیار کی اور ممبرانِ اسمبلی سے بالمشافہ ملاقاتیں کرکے ان کی ایسی تیاری کرادی کہ ہر ممبر خود اعتمادی کے ساتھ قادیانی گواہ پر جرح کے لیے مستعد ہوگیا۔ یہ کام مولانا مرحوم نے بتوفیقِ الٰہی ایسا بروقت انجام دیا تھا کہ ایک مثال قائم کردی۔ اب مولانا مرحوم کے فرزند ارجمند ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب نے اس دستاویز کو کتابی شکل میں شائع کرادیا ہے۔ اس کے ذریعے قادیانیت کے حقیقی خدوخال کو سمجھنا ممکن ہوگیا

ہے۔اور ہماری نسل نو کی اکثریت جو مرزا قادیانی اور قادیانیت کے دجل وفریب سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس کو زیادہ سیریز معاملہ نہیں سمجھتی، وہ اس اشاعت کے ذریعے اصل حقیقت کو جان کر اس فتنے سے بچ سکے گی نیز اس کے ذریعے قادیانیوں کے لیے بھی اپنے باطل مذہب سے توبہ کر کے دینِ حق اسلام کی طرف آنا نسبتاً آسان ہو جائے گا۔ یہ کتاب ہر کتب خانہ اور لائبریری میں موجود ہونی چاہیے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔(صفحات:224، قیمت درج نہیں)

2 دُرَر فرائد ترجمہ وشرح جمع الفوائد

(جلد۵، کتاب المناقب)

مترجم: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

ناشر: مولانا عبدالقیوم حقانی، القاسم اکیڈمی، خالق آباد نوشہرہ

محمد بن محمد بن سلیمان الرودانی المغربی المالکی (1627ء-1683ء) گیارھویں صدی ہجری کے ایک بڑے عالم، محدث، فقیہ اور ادیب ہیں اور دمشق میں مدفون ہیں، انھوں نے مختلف علوم وفنون میں متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں جن میں سے فنِ حدیث میں ایک اہم اور ضخیم کتاب ''جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد'' ہے۔ برصغیر کے بزرگ عالم دین مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (متوفی 1941ء) نے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب اس اردو ترجمہ کی جلد نمبر ۵ ہے۔ یہ جلد صحابہ کرامؓ کے فضائل، مہاجرین وانصارؓ کے مناقب، اُمتِ محمدیہؐ کے فضائل، قریش وعرب قبائل اور عجم و روم کے تذکرہ، اہم مقامات، گزشتہ امتوں کے قصوں، عجائبات، زہد، فقر، امید، رجا، حرص، خوف اور دل کو نرم کرنے والے مضامین اور نصیحتوں اور سبق آموز حکایات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں احادیث مبارکہ کا متن اعراب کے ساتھ دیا گیا، سلیس ترجمہ کیا گیا اور مختصر تشریح اور عام شبہات و اشکالات کو مہذّب طریق سے دفع کیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ کے مطالعہ کا شوق رکھنے والے طلباء کے لیے یہ ایک عظیم خدمت ہے اور یہ کتاب ہر لائبریری کی ضرورت بھی ہے۔(صفحات:288، قیمت درج نہیں)

فرمودۂ اقبال

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے!
تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذّتِ نمود میں ہے!

1857ء میں مسلمانوں نے جنگ آزادی لڑی جو بوجوہ ناکام ہوگئی۔ انگریز نے 1860ء کے بعد نئے دور کا آغاز کیا اور آہستہ آہستہ جمہوریت کو روشناس کرایا (ایک آدمی ایک ووٹ) صاف ظاہر ہے کہ ہندو مسلمانوں سے تین گنا تھے لہٰذا وہ مستقل حکمران رہتے۔ مسلمانوں نے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا اور یوں اگست 1947ء میں پاکستان بن گیا۔

اب ان واقعات کو انگریز مصنف لکھے گا تو اور طرح کا RATIONALE سامنے لائے گا، ایک کٹر ہندو لکھے گا تو ایک بالکل دوسرا نقطۂ نظر، جو ہندو ذہن کا عکاس ہوگا، وہ سامنے آئے گا جبکہ ایک سچا مسلمان ان واقعات کو لکھے گا تو بالکل دوسرا انداز ہوگا۔ مغربی درسگاہوں سے تعلیم حاصل کرنے والا ذہن برطانوی مصنف انگریزوں کو حق بجانب ثابت کرے گا اور مسلمانوں کو ظالم، عیاش، بدمعاش، بدکار، شرابی اور کند ذہن ظاہر کرے گا جبکہ ہندو مسلمان حکمرانوں کو انگریز کی طرح ظالم اور انگریز کو نجات دہندہ ثابت کر کے مسلمانوں سے 'بدلہ لینے' کا معاملہ ظاہر کرے گا۔ جبکہ کوئی مسلمان ذہن کا مؤرّخ تاریخ لکھے گا تو وہ مسلم ذہن کے مطابق جو حقائق ہیں وہ سامنے لائے گا۔ ہندو مؤرخ کا حوالہ مسلمان ذہن کے لیے سم قاتل اور گمراہ کن ہوگا اور انگریز مصنّفین کی تحریریں مسلمانوں کو ننگِ انسانیت، اُجڈ، کرپٹ اور انسان دشمن ظاہر کریں گی جن میں مبالغہ کی حد تک حقائق کو مسخ کیا گیا ہوگا۔ لہٰذا تاریخ کا مطالعہ صرف مسلمانوں اور پاکستان کے بانیان کے نقطۂ نظر سے کرنا ضروری ہے اور اسی نقطۂ نظر کو پاکستان کے نصابِ تعلیم کا حصہ ہونا ضروری ہے۔ افسوس کہ یہ صورتِ حال پاکستان میں ابتداء ہی سے مفقود ہے۔ اسی وجہ سے آج کا مسلم نوجوان ذہنی انتشار کا شکار ہے اور اصلاحِ احوال کے لیے یک رنگی، یگانگت اور مثبت سوچ کا فقدان ہے۔ تاریخ نگاری کے ذریعے دشمن قوموں کا یہ ایک نظریاتی حملہ ہی ہے اس سے متنبہ رہنا اور بچنا ضروری ہے۔ تاریخ پاکستان کا اس طرح مطالعہ پاکستان اور اُمت مسلمہ کے شاندار مستقبل کا ضامن ہے اور یہی نقطۂ نظر نصابِ تعلیم میں بھی شامل ہونا چاہیے۔ اعلیٰ کلاسوں میں تحقیق و مطالعہ کے لیے دوسروں کی کتاب پڑھنا کوئی برائی نہیں ہے بلکہ علم، روشنی اور باہمی افہام و تفہیم کا سبب ہے لیکن خدا بیزار، انسان دشمن اور اسلام دشمن ذہن کو ابتدائی کلاسوں کے نصابِ تعلیم اور اخبارات و الیکٹرانک میڈیا سے پھیلانا پاکستان، نظریۂ پاکستان، علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے افکار سے فرار اور دوقومی نظریہ سے بغاوت ہے۔ تعلیم اور تعلیمی نصاب کے شعبے میں اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

Vol 15
CPL No: FD 30/07
HIKMAT-E-BAALGHA
JUNE 2021
No 06

مُطالعہ تاریخ

ایک ایمان افروز اور از خود آشکار ہونے والی حقیقت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

انجینئر مختار فاروقی

تاریخ کا مطالعہ انسانی طبعی ضرورت ہے بحث و تمحیص اور تجسّس کے جذبات کی تسکین کا سبب ہے ماضی کے اشارات سے سبق حاصل کرنا اور آئندہ اجتماعی انسانی معاملات میں ان اسباق کو پیش نظر رکھنا کامیابی و کامرانی کی نوید ہے۔ تاہم اس میں ہر طرح کی اچھی بری تحریر اور کتاب پڑھنے سے پہلے کسی خاص تاریخی مرحلے اور اہم انقلابی تبدیلی یا عروج و زوال پر فراہم کردہ معلومات کو اپنے دماغ میں انڈیلنے سے پہلے 'مصنف' کی حدودِ اربعہ جاننا ضروری ہے۔ اس ضمن میں متعلقہ تاریخی مواد سامنے لانے والے مصنف کی صحیح پوزیشن جانے بغیر CONTENTS کو من و عن قبول کرنے سے گریز ضروری ہے۔ یہ اصول پیش نظر رہے تو مطالعہ باعث برکت اور ذہن کی کشادگی کا سبب ہوگا ورنہ ذہنی خلفشار اور دماغی انتشار کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کو صرف ایک مثال سے سمجھنا ضروری ہے۔ یہ ایک واشگاف حقیقت ہے کہ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی حکومت تھی، غیر مسلم اقوام اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق پر امن زندگی گزار رہی تھیں۔ جہانگیر کے عہد میں یورپی اقوام تجارت کی غرض سے بحر ہند میں آئیں اور ان غیر ملکی تاجروں نے دور دراز کے مظلوم مسافر بن کر مسلمان حکمران سے تجارتی درآمدی ٹیکس معاف کرا لیا۔ پھر اس معافی کی آڑ میں اسلحہ لے آئے، مقامی غدار پیدا کیے، ان کی مالی مدد کی، ہندو کو مسلمانوں سے آزادی کا سبز باغ دکھا کر اپنی مدد پر آمادہ کیا پھر جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا پہلے بنگال 1757ء میں پھر میسور 1799ء میں فتح کر لیے اور بالآخر ہندو کے تعاون سے 1803ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے خائف ہو کر ہندوؤں کو ساتھ ملایا تجارت میں شریک کیا اور مسلمانوں کو بے دست و پا کر دیا۔ (باقی اندرونی صفحہ پر)